جلد 15 شمارہ 2 فروری 2013ء ربیع الاول / ربیع الثانی 1434ھ
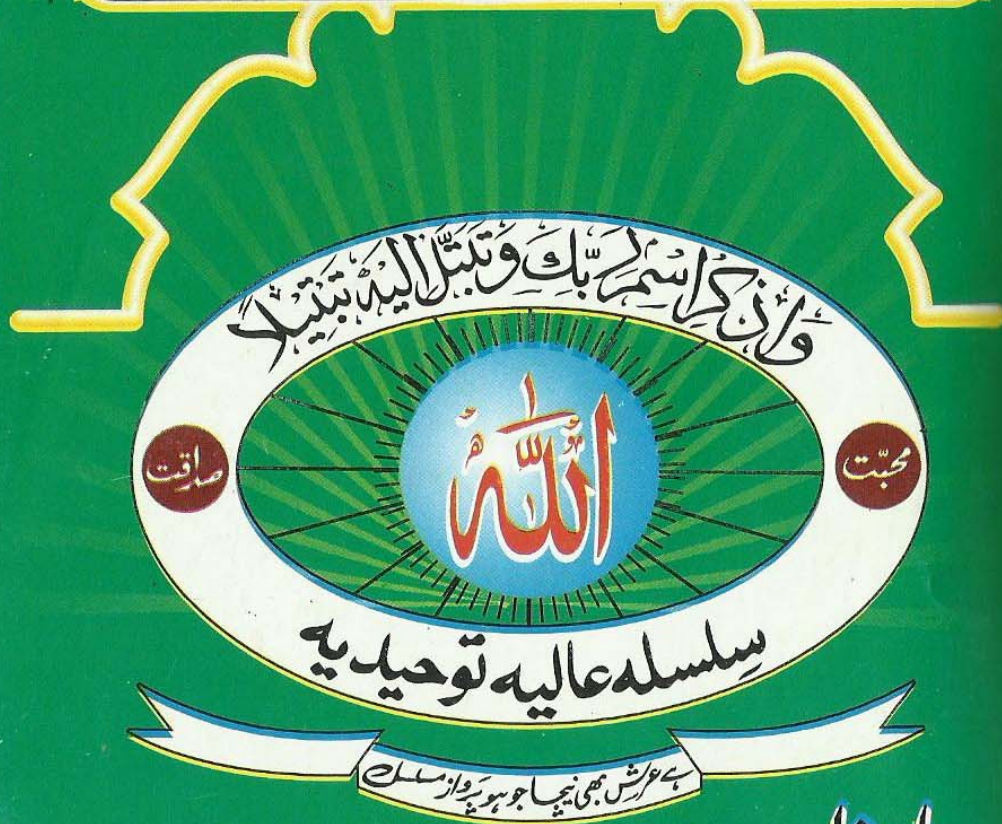
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر، مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار
توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0300-6493335
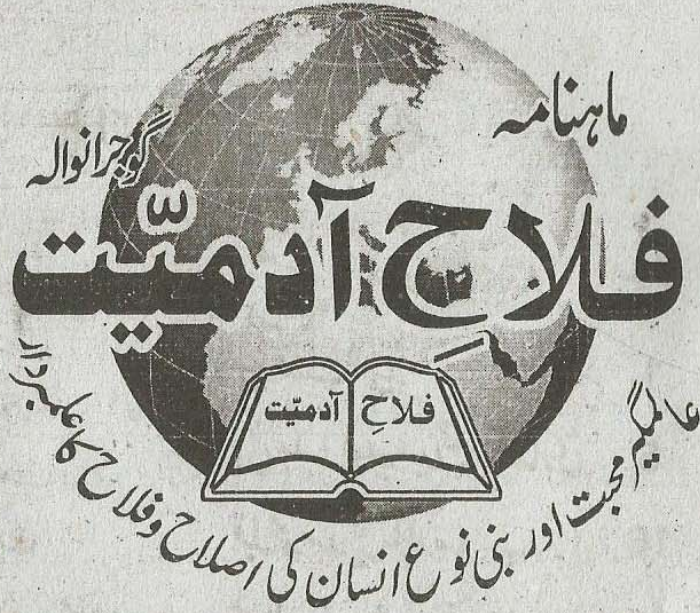
مدیر	احمد رضا خان 0321-6400942
نائب مدیر	سید رحمت اللہ توحیدی 0333-4552212
معاون مدیر	خالد محمود توحیدی 0300-7374750

مجلس ادارت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سکینڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835/055-4005431
فیکس نمبر: +92-55-3736841 ای میل: info@toheedia.net

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا
قیمت شمارہ -/30 روپے　　　سالانہ فنڈ -/300 روپے

﴾اس شمارے میں﴿

مضمون	مصنف	صفحہ نمبر
درس قرآن	سید قطب شہیدؒ	1
محاسن اخلاق	بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ	5
اللہ کے ذکر کے اثرات	قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب	16
قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا خط	محمد نذیر توحیدی	20
اسلامی معاشرہ کی پہچان	مولانا ابوالحسن ندویؒ	21
من کی آلودگی	اشفاق احمدؒ	28
زندگی کی طوالت کا راز اور مقصد حیات	سلطان بشیر محمود	33
فرض آپ کو پکار رہا ہے	مولانا محمد یوسف اصلاحی	39
خشوع وخضوع سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے	خالد محمود توحیدی	43
نماز میں ہیبت اور خوف خدا	محمد حنیفؒ	47
دنیا میں مسافر کی طرح رہو	حافظ ابن رجبؒ	52
اللہ کے ذکر میں استقلال	مولانا محمد تقی عثمانی	60
دل کا سکون	محمد قاسم توحیدی	61
مثنوی مولانا رومؒ	غلام یٰسین شاہ	62

☆☆☆☆☆☆☆

درسِ قرآن (سورۃ البقرہ آیت -215)

سیّدقطب شہیدؒ **ترجمہ:** مولانا ساجدالرحمٰن صدیقی

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (215)

ترجمہ "آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ ان سے فرمادیں کہ جوبھی مال تم خرچ کرو، وہ والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے اور جوبھی بھلائی کا کام تم کروگے یقیناً اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتاہے۔"

انفاق فی سبیل اللہ کی ترتیب

بعض مالدار صحابہؓ (مثلاً عمرو بن الجموع وغیرہ) کی جانب سے مال خرچ کرنے کے احکام کے بارے میں سوال کیے گئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت روحِ عقیدہ کس قدر بیدار تھی اور مسلمانوں کے دلوں پر عقیدے کی گرفت کس قدر مضبوط تھی۔ مسلمان اپنی زندگی کے معاملات میں اسلام کا حکم معلوم کرنے لئے کس قدر اشتیاق رکھتے تھے۔ اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ زندگی کے تمام مسائل کا علم رکھے اور جن امور کا اسلام نے حکم دیا ہے انہیں نافذ کرے اور جن سے روکا ہے ان سے باز رہے۔ اس آیت میں انفاق کے بارے میں سوال کیا گیا کہ کیا خرچ کریں، کہاں کریں اور کس قسم کا مال خرچ کریں؟ جن حالات میں اسلام برپا ہوا تھا ان میں مومنین کی نشو ونما کیلئے انفاق ایک ضروری عمل تھا تا کہ جماعت کے افراد پیش پا اُفتادہ مشکلات ومسائل اور جنگوں وغیرہ سے نبرد آزما ہوسکیں اور جماعت میں ایک مضبوط ارتباط، ربط باہمی، اخوت ومودّت کی فضاء پروان چڑھ سکے جس میں شعوری طور پر اور محسوس طریقے سے معاشرے کا ہر فرد اور جماعت کا ہر رکن اپنے آپ کو جماعت کا ایک حصہ اور جزو سمجھے۔ پہلی بات قیام جماعت کی عملی ضرورت تھی۔ جبکہ دوسری بات قیام جماعت کی شعوری اور فکری ضرورت ہے۔

جو کچھ بھی خرچ کیا جائے وہ دینے والوں لینے والوں بلکہ پوری جماعت کیلئے خیر ہے کیونکہ عمل انفاق تطہیر قلب، پاکیزگی نفس اور دوسروں کی مدد و اعانت ہے اور خیر کی مسلسل جستجو تربیت نفس کے مطابق لوگوں کو بہتر مال کے خرچ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

اس آیت میں معاشرے کے متعدد طبقوں کا بیان کیا گیا، کچھ کے ساتھ خونی رشتے ہیں اور کسی کے ساتھ شفقت اور جذبہ ترا حم کا واسطہ ہے اور کچھ عظیم تر رشتہ انسانیت میں منسلک ہیں۔ ان سب کو اسلام کے مضبوط نظام میں اجتماعی کفالت کی ضمانت دی گئی ہے۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے ارشاد فرمایا کہ "پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو، اور تمہاری ذات سے بچ رہے تو اپنے اہلِ خاندان پر خرچ کرو۔ خاندان سے بچ رہے تو قرابت داروں پر خرچ کرو اور اگر ان سے بچ رہے تو اس اس طرح خرچ کرو"۔ (صحیح مسلم)

انفاق سبیل اللہ میں مذکورہ بالا ترتیب کی رعایت اسلام کے اس حکیمانہ مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ ہے جو اس نے تربیت نفس کے لئے اختیار کیا ہے۔ اسلام نے انسان کو انسان کی حیثیت میں سامنے رکھا ہے۔ انسان کی فطرت، جذبات، میلانات، صلاحیتیں اور طاقتیں ہمیشہ اور ہر مرحلے پر اسلام کے پیش نظر رہتی ہیں۔ اور اسلام ان تمام امور کو مدنظر رکھ کر انسان کو درجہ بدرجہ بلندیوں کی جانب لے جاتا ہے۔ رفعتوں سے ہمکنار کرتا ہے۔ چنانچہ انسان ارتقاء بھی حاصل کرتا رہتا ہے اور اپنے فطری جذبات کی تکمیل بھی کرتا رہتا ہے اور زندگی کو نشو ونما دیتا رہتا ہے۔ جب انسان نشو وارتقاء کے مراحل سے گزرتا ہے تو اسے اپنی طاقت سے زیادہ کاوش نہیں کرنی پڑتی اور نہ روح کی بالیدگی کیلئے اسے اپنے فطری میلانات وقوتوں کو کچلنا پڑتا ہے بلکہ تدریجی مراحل کے ساتھ آگے بڑھتا اور روحانی ترقی حاصل کرتا ہے اور اس روحانی ترقی میں اس کی نظریں ذاتِ باری تعالی کی طرف لگی رہتی ہیں اور اس کی روح اللہ تعالی سے اپنا تعلق قائم کئے ہوئے ہوتی ہے۔

اللہ پاک کوانسانی صفت کا علم ہے کہ انسان اپنی ذات کو دوسروں پر ترجیح دیتا ہے اسلئے حکم فرمایا ہے کہ پہلے اپنی کفالت اعتدال ومیانہ روی سے کرے ۔اس کے بعد دوسروں کی طرف متوجہ ہو۔حضورﷺ نے فرمایا کہ بہتر صدقہ وہ ہے جو تونگری کے بعد ہو۔

اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ انسان اپنے گھر والوں اور اپنے والدین سے محبت رکھتا ہے چنانچہ ان پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے تا کہ اس کے جذبات اور میلانات کی تسکین بھی ہو جائے ۔اور ایک بڑی حکمت اور خیر کا کام بھی ہو جائے ۔اسطرح انسان اپنے قریبی عزیزوں کی کفالت کر کے محتاج ہونے سے بچا تا ہے اور اس کے عزیزوں کیلئے دوسروں کی نسبت اس سے لینا زیادہ بہتر ہے ۔اس طرزِ عمل سے جہاں معاشرے کے افراد کی کفالت ہوتی ہے وہاں افراد خانہ میں مضبوط روابط قائم ہوتے ہیں اور محبت پروان چڑھتی ہے ۔دیگر عزیزوں کے ساتھ فطری جذبات کی تسکین ہوتی ہے اور خاندانی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں ۔ان مصارف کے بعد جو مال بچ رہتا ہے اسے اسلام اپنے ہاتھ میں لے کر انسانیت کے مختلف طبقات پر صرف کرتا ہے جن میں سرفہرست کمزور یتیم بچے محتاج اور تیسرے درجے میں وہ مسافر جن کا سفر میں سرمایہ ختم ہو گیا ہو، اِس قسم کے مسافر اُس وقت جماعت مسلمین میں کثیر تعداد میں موجود تھے ۔جو مکہ میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ آرہے تھے ۔یہ سب طبقے چونکہ معاشرے کے افراد ہیں ۔اس لئے اسلام لوگوں کو آمادہ کرتا ہے کہ ان پر خرچ کریں ۔اس مقصد کیلئے اسلام لوگوں کے پاکیزہ جذبات کو اُبھارتا ہے تا کہ اس کے پیشِ نظر مقاصد خوش اسلوبی اور محبت سے حاصل ہو جائیں ۔اور انفاق کرنے والے نفوس کا تزکیہ بھی ہو جائے کیونکہ انہوں نے یہ مال اپنا رضا اور رغبت سے خرچ کیا ہے، دوسرا یہ کہ محتاجوں کی کفالت ہو جائے ۔اس باہمی تعاون و کفالت سے معاشرے کے افراد میں اتحاد اور باہمی ربط پیدا ہو جائے ۔اس کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کے عملِ خیر کو ذاتِ باری سے متعلق کر دیا جاتا ہے کہ وہ نیتوں سے واقف اور شعور کی پہنائیوں سے آشنا ہے ۔

اللہ تعالیٰ اس خیر کے عمل، اس کے اصل محرک جذبے اور اس کے پیچھے کارفرما نیت سے واقف ہے۔ اس لئے یہ عمل ضائع نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور کوئی کمی اور ظلم نہیں ہوگا۔ انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ محرکہ یہ ہونا چاہیے کہ اس سے میری ذات کی نشوونما ہوتی ہے اگر اس میں اپنے کسی طبعی مفاد کا جذبہ، پندارِ نفس (بڑا بننے) کا جذبہ شامل ہوگیا تو یہ ذہنیت کاروباری ہوگئی جسے قرآن نے منافقت سے تعبیر کیا ہے یہ مومنین کے شعار کے یکسر خلاف ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ اسلامی نظام ربوبیت ہے جس کے ذریعے اسلام انسان کو انسان کی حیثیت میں لے کر چلتا ہے اور اسے بلند آفاق اور اعلیٰ مراتب تک لے جاتا ہے۔ جہاں تک انسانیت کبھی نہیں پہنچی اور آئندہ بھی اس وقت تک نہیں پہنچ سکتی جب تک منہاج تربیت کو نہ اپنائے اور اسلام کے ضابطہ حیات کو اپنی زندگی میں نہ اپنائے اور اسلامی قانونِ زندگی کو اپنی سماجی زندگی میں نافذ نہ کرے۔

قرآنی نظامِ معیشت کی بنیاد انفاق پر ہے، دولت کو جمع کر کے، اسے صرف اپنی ذات کیلئے سمیٹ کر رکھنا بخل ہے جو مومنانہ ذہنیت کی ضد ہے۔ مومن بڑی محنت سے مال کماتا ہے اور اپنی ضروریات سے زائد جتنی دولت ہوا سے انسانیت کی بہبود کے لئے ہر وقت کھلا رکھتا ہے۔

ارشادات عالیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

خدمت خلق ہی سب سے بڑی نیکی، عبادت ہے۔ اپنی استطاعت کے مطابق ہمیشہ خدمت خلق کرتے رہو۔ عوام کے لئے خدمت خلق کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بڑا درجہ رکھتی ہیں، ان سے دور رس نتائج نکلتے ہیں۔ خواص اور صاحب استطاعت حضرات خدمت خلق کے ذریعہ ملک وقوم کو بے حد طاقتور بنا سکتے۔ ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ جب کہ یہ خدمات خلوص کے ساتھ قومی بہبود کے لئے ہوں، ذاتی اعزاز وافتخار کے لئے نہ ہوں۔ (اقتباس از تعمیر ملت)

محاسن اخلاق

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

مسلمانوں کے زوال کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا اخلاق قرآنی معیار سے بہت ہی زیادہ گرا ہوا ہے اور جب تک وہ اخلاق میں معیاری ترقی نہ کریں، دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے مقابلہ میں ہرگز سربلند نہیں ہوسکتے۔ محاسن اخلاق پر عمل کرنا ہی عین شرافت ہے، شرافت کا معیار اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جو آدمی جتنا زیادہ متقی ہے یعنی زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اتنا ہی وہ شریف ہے۔ لیکن آج کل مسلمانوں نے شرافت کا معیار یورپ کی تقلید میں یہ قرار دے لیا ہے کہ جو جتنا زیادہ مالدار یا بڑا افسر ہے، اتنا ہی وہ شریف ہے۔ اس تخیل سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں اور کمزوریاں پیدا ہوگئی ہیں، اس نظریہ کو فوراً بدلنے کی ضرورت ہے۔

احسان

یہ وہی چیز ہے جس کو آج کل کی متمدن قومیں میوچول ہیلپ یعنی امداد باہمی کہتی ہیں۔ قرآن میں جابجا احسان کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جو کوئی تمہارے ساتھ احسان کرے تم بھی اس کے ساتھ احسان کرو، مطلب یہ ہے کہ احسان کا سلسلہ ہر وقت جاری رہے۔
احسان جماعت کی شیرازہ بندی اور اتحاد کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ احسان کے معنی صرف نیکی کے ہیں اور نیکی یہ ہے کہ جس شخص سے بھی کی جائے اس کو کچھ فائدہ یا کم از کم راحت وخوشی حاصل ہو سوچنے کی بات ہے کہ جس جماعت کے سارے افراد ایک دوسرے کو ہر وقت آرام اور فائدہ پہنچانے کی کوشش میں لگے رہیں گے، اس جماعت کے ہر فرد کو کچھ نہ کچھ آرام اور فائدہ ضرور پہنچتا رہے گا۔ اس طرح لوگوں کی بہت سی مشکلات میں آسانیاں پیدا ہوجائیں گی، زندگی خوشگوار بن جائے گی تنگیاں کشادگی سے بدل جائیں گی، جینے میں لطف آنے لگے گا اور دنیا جیتے جی

جنت بن جائے گی،اس سے دماغ میں سکون ویکسوئی پیدا ہوگی،عمل کی قوت بڑھے گی،ہر کام خوش اسلوبی سے کیا جاسکے گا اور ہر قدم پر کامیابی قدم چومے گی۔لیکن بدنصیبی تو یہ ہے کہ آج کل احسان کو گالی سمجھا جاتا ہے۔چنانچہ زبان میں بہت سے محاورے بھی ایسے پیدا ہوگئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ احسان کوئی بہت ہی بری چیز ہے۔مثلاً میری جوتی اس کا احسان اٹھاتی ہے، ''میں تیرے باپ کا احسان مند نہیں ہوں''''کسی کا احسان اٹھانے سے تو مر جانا بہتر ہے''۔

احسان کی برائی کا خیال اس لئے پیدا ہوا کہ احسان کرنے والے احسان کر کے جتانے اور طعنے دینے لگے، حالانکہ یہ نہایت ہی کمینے پن کی بات ہے۔اس طرح تو محبت و اخوت کی بجائے نفرت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور بجائے فائدے کے نقصان پہنچتا ہے۔اسی طرح جن لوگوں کے ساتھ احسان کیا جاتا ہے اگر وہ اپنے محسنوں کے شکر گزار نہ ہوں اور احسان کے بدلے میں احسان نہ کریں تو وہ بھی سخت برائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔احسان کرنے اور احسان اٹھانے والے دونوں کے دل میں محبت کا جذبہ کارفرما ہونا چاہئے ورنہ قوم میں اتفاق و اتحاد کے بجائے نااتفاقی پیدا ہوگی اور فساد پھیلے گا۔خوب سمجھ لو کہ جس قوم کے افراد صدق و خلوص سے ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے وہ قوم جانوروں سے بھی بدتر ہے،کسی حالت میں بھی تباہی سے نہیں بچ سکتی یہاں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ نیکی صرف نیکی کے لئے کی جائے کسی معاوضے یا بدلے کے لئے نہ کی جائے ورنہ وہ دکانداری بن جائے گی اور بجائے فائدے کے نقصان پہنچائے گی۔

ہم نے ایک انگلش میگزین میں ایک کتے کا سچا واقعہ پڑھا، جس کو مالک نے سدھایا تھا۔مالک روزانہ اس کے گلے میں ایک ٹوکری لٹکا دیتا۔کتا یہ ٹوکری لے کر ایک بیکری میں جاتا اور وہاں سے کچھ رول لایا کرتا تھا، رول تعداد میں ہمیشہ پورے ہوتے تھے۔ایک دن ایک رول کم نکلا اور اس کے بعد کئی روز تک ایک رول کم آتا رہا۔آخر مالک نے بیکری والے سے دریافت کیا،اس نے کہا میں تو ہمیشہ پورے دیتا ہوں۔اس پر ایک دن جب کتا رول لے کر واپس جا رہا تھا، مالک نے چھپ کر اس کا تعاقب کیا۔کتا کچھ دور جانے کے بعد ٹھہر گیا، گلے سے

ٹوکری نکال کر سڑک کے کنارے رکھی اور ایک رول نکال کر منہ میں لیا اور بھاگا یہاں تک کہ ایک دیوار کے پیچھے غائب ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد واپس آیا تو منہ میں رول نہ تھا۔ کتے نے ٹوکری پھر گلے میں ڈالی اور گھر کی طرف چل دیا۔ جب وہ دور چلا گیا تو مالک دیوار کے پیچھے گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں کھنڈر میں ایک بہت ہی کمزور اور لاغر کتیا پڑی ہوئی ہے جس کی ایک ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے۔ آس پاس سات نوزائیدہ پلے پڑے ہوئے ہیں اور کتیا رول کھا رہی ہے۔ دیکھا آپ نے جانوروں میں بھی یہ احساس ہے کہ ضرورت کے وقت اپنے ہم جنسوں کی مدد کریں یا یوں کہئے کہ ترقی یافتہ قوموں کے کتے بھی ہم جنسوں کی مدد کرتے ہیں، لیکن زوال پذیر قوموں کے آدمی بھی ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔

دیانت

دیانت کے معنی بہت وسیع ہیں۔ دیانت سے صرف یہ مراد نہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی چیز تمہارے پاس امانت رکھے تو اس کو اسی حالت میں واپس کر دو۔ دیانت یہ ہے کہ جس چیز پر تمہارا حق نہیں اس کو چھوؤ تک نہیں اور کسی طرح مل جائے تو ہرگز استعمال میں نہ لاؤ۔ دیانت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے توسل سے کسی کو کوئی پیغام بھیجے تو اس طرح پہنچاؤ کہ الفاظ اور لہجہ بھی بالکل ایسا ہی رہے، جو پیغام دینے والے کا تھا دیانت یہ بھی ہے تمام حقوق اللہ، حقوق نفسی اور حقوق العباد کو کما حقہ ادا کرو۔ دیانت یہ بھی ہے کہ اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح ادا کرو۔ جتنے وقت تک کام کرنے کی تنخواہ یا اجرت ملتی ہے اس وقت میں اپنا یا کسی اور کا کوئی کام نہ کرو۔ کام بے دلی سے نہ کرو، خالی وقت نہ گزارو، بیگار نہ ٹالو بلکہ اس کام کو جس کی اجرت ملتی ہے پورے جوش، سرگرمی اور پوری قابلیت سے سرانجام دو۔ بعض متمدن ممالک میں دیانت داری کا یہ حال ہے کہ علی الصبح دودھ، انڈے، مکھن، اخبار اور دیگر اشیاء بیچنے والے یہ چیزیں خریداروں کے دروازوں پر رکھ جاتے ہیں، کوئی دوسرا ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ غریب لوگ کسی چھوٹی سی دکان

یا کیبن میں کچھ سامان تجارت سجا کر ہر چیز پر اس کی قیمت لکھ دیتے ہیں اور خود دکان کو خالی چھوڑ کر دن بھر کسی کارخانے وغیرہ میں کام کرتے ہیں۔ضرورت مند خالی دکان پر آتے ہیں اور جو چیز لینی ہو اس کی قیمت کیش بکس میں ڈال کر چیز لے جاتے ہیں۔شام کو مالک دکان پر آ کر روپیہ نکال لیتا ہے، مجال ہے کوئی شخص قیمت ڈالے بغیر کوئی چیز لے جائے۔بعض اپاہج لوگ ایک کتا گاڑی بنا لیتے ہیں اور اس میں اخبارات اور دوسری چیزیں مثلاً سگریٹ وغیرہ رکھ دیتے ہیں کتا سدھایا ہوا ہوتا ہے وہ بازاروں اور محلوں میں گاڑی کو لئے پھرتا ہے۔لوگ ضروری چیزیں لے کر قیمت کیش بکس میں ڈال دیتے ہیں، جب سامان ختم ہو جاتا ہے تو کتا گاڑی لے کر گھر واپس پہنچ جاتا ہے۔ذرا غور کیجئے کہ ہمارے ملک میں ایسا کیا جائے تو کیا حال ہو۔پھر یہ دیکھئے کہ دیانت داری ان لوگوں میں ہے جن کو مشرک و کافر کہہ کر آپ خوش ہو لیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ مسلمان ہوتے ہوئے آپ کی دیانت داری کا کیا حال ہے۔

ایثار: ایثار و سخاوت تقریباً ایک ہی چیز ہے لیکن خیرات اور ایثار فرض ہے، خیرات یہ ہے کہ تمہارے پاس اپنی ضروریات سے جو کچھ فاضل ہو اس میں سے ضرورت مندوں کو بھی دو۔لیکن ایثار یہ ہے کہ جو چیز تم کو محبوب ہو اور جس کی تمہیں خود ضرورت ہو وہ چیز کسی دوسرے ضرورت مند کو دے دو، یعنی اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت براری کو مقدم سمجھو۔ایثار ایک بہت ہی بلند مرتبہ صفات میں سے ہے اور ایثار کرنے والا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی عزیز ہوتا ہے۔قوم کی جہالت اور گراوٹ کی وجہ سے کئی صدیوں سے ایثار کے صحیح معنی بھی لوگوں کو معلوم نہیں رہے اور ایثار اگر چہ کیا بھی جاتا ہے لیکن بہت ہی غلط جگہ اور غلط طریقے سے۔جب سے مسلمانوں میں بے عملی اور تن آسانی عام ہوئی ہے، بے شمار لوگوں نے یہ پیشہ اختیار کر لیا ہے کہ صاحب مقتدرت اصحاب کے گرد اکٹھے ہو کر ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً موقع دیکھ کر اپنی محتاجی اور افلاس کا حال موثر الفاظ میں بیان کر کے ان کے جذبہ ایثار و سخاوت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس قسم کا ایثار قوم کو بجائے فائدے کے الٹا نقصان پہنچاتا ہے اور بے عمل مفت خوروں کی تعداد میں ہمیشہ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے ایثار صرف مستحق آدمیوں کے ساتھ کرنا چاہئے مفت خور، خوشامدیوں اور حاشیہ نشینوں کی ہرگز ہرگز ہمت افزائی نہ کرنی چاہئے۔ سب سے بہتر طریقہ ایثار کا یہ ہے کہ ایثار صرف اس موقع پر کیا جائے جب کہ اس سے اجتماعی فائدہ پہنچتا ہو، مثلاً قوم کے دو بڑے آدمی کسی ایک چیز کے حصول کے لئے مقابلہ کر رہے ہوں اور اس سے قوم کی دو جماعتوں میں دشمنی اور تفرقہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ان میں سے ایک اپنے دعوے سے بخوشی دست کش ہوجائے تاکہ قوم میں پھوٹ نہ پڑنے پائے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں یہ بات عام تھی، لیکن آج ہمارے زعماء اس معاملے میں اپنے حریفوں کے ساتھ جس اخلاق کا ثبوت دیتے ہیں قارئین خود اچھی طرح جانتے ہیں ہم کو تو بیان کرتے ہوئے ندامت محسوس ہوتی ہے۔ مفید ایثار کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ فرض کیجئے کسی شہر میں ایک کالج یا سکول وغیرہ کھولنا ہے لیکن اس کے لئے مکان نہیں ملتا۔ اب کسی رئیس کے پاس ایک عالی شان اور فراخ کوٹھی ہے جو اسے بے حد محبوب ہے اور وہ اسی میں رہنا پسند کرتا ہے لیکن باوجود ازیں یہ کوٹھی کالج یا سکول کیلئے دے تو یہ ایثار واقعی فائدہ مند ہے اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں مقبول۔ ہم نے ایسے نواب اور رئیس بچشم خود دیکھے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کی کسی چیز کی تعریف کردے تو پھر وہ اس چیز کو اپنے قبضہ میں رکھنا معیوب اور خلافِ شان جانتے ہیں اور تعریف کرنے والے کو بخش دیتے ہیں۔ امراء کی اس عادت سے قوم میں بے انتہا بے عملی پیدا ہوتی ہے اور تن آسان مفت خورے ان کو بیوقوف بنا کر گل چھرے اڑاتے ہیں۔

ایفائے عہد

قومی ترقی کے لئے ایفائے عہد بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنی اور صفاتِ حسنہ۔

قرآن میں آیا ہے: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدۃ۔1)

یعنی ”اے ایمان والو اپنے اقراروں کو پورا کرو“

اس سے بھی بڑھ کر بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا ہے ۔

وَاَوْفُوْ ابِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً (بنی اسرائیل ۔34)

یعنی ''اپنے وعدے پورے کیا کرو قیامت میں اس کے متعلق بازپرس کی جائے گی''
لیکن یہاں اللہ اور قیامت پر ایمان ہی کسے ہے جو اس حکم کی پروا کرے ۔ایفائے عہد بڑی بڑی باتوں ہی میں نہیں چھوٹی اور معمولی باتوں میں بھی اتنا ہی ضروری ہے ۔بعض اوقات وعدہ خلافی کے نتائج بہت ہی برے ہوتے ہیں اور جس شخص سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کو نہ صرف جسمانی اور روحانی اذیت بلکہ طرح طرح کا نقصان بھی پہنچتا ہے ۔کم از کم ایسا ایک واقعہ ہمیں معلوم ہے جس میں ایک شخص نے محض اس لیے خودکشی کرلی تھی کہ اس کے ایک دوست نے جو روپے اس کو دینے کا وعدہ کیا تھا حسب وعدہ وقت پر ادا نہیں کیا ۔جس قوم کے افراد میں وعدہ خلافی کی عادت عام ہو وہ کبھی ترقی نہیں کرسکتی ۔وعدہ خلافی کرنے سے تو ہزار درجہ بہتر ہے کہ وعدہ کیا ہی نہ جائے دوسری قومیں جن کو تم کافر و مشرک کہہ کر خوش ہو لیتے ہو ان کے معمولی افراد بھی ایفائے عہد میں اس قدر پکے ہوتے ہیں کہ ہماری قوم کے بڑے بڑے مدعیانِ تقویٰ ،اعلیٰ تعلیم یافتہ اور زعماء بھی نہیں ہوتے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اخلاق حسنہ اور اعلیٰ کردار انسانی پیدا کرنے کیلئے سب سے پہلا سبق ہی یہ ہے کہ آدمی وعدے اور وقت کی پابندی کرے۔

اصلاح

اپنے افراد یا جماعت کی اصلاح کرنا سب سے بڑی نیکی اور ذمہ داری کا کام ہے ۔ اس کام کے لئے بے انتہا قابلیت اور خود نیک ہونے کی ضرورت ہے ، ہر شخص اس کا اہل نہیں ہوسکتا ۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (ال عمران ۔104)

یعنی ”لازم ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہو جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے، اچھے کاموں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے“ لیکن ہماری بدنصیبی کہ یہ کام بھی ہر شخص نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے، خود کچھ جانتے نہیں نیک و بد کو پہچانتے نہیں لیکن جہاں کسی میں بزعم خود کوئی برائی دیکھی (خواہ وہ حقیقت میں برائی نہ ہو) لگے اس کو نصیحت کرنے۔ اس کے لئے نہ کوئی موقع و وقت دیکھتے ہیں نہ حالات و ماحول۔ راستہ چلتے بازار اور سڑکوں پر، بسوں میں، ریل گاڑیوں میں الغرض ہر جگہ ان ناصحان مشفق کی زبانیں آپ کو قینچی کی طرح چلتی نظر آئیں گی۔ پھر نصیحت کرنے کا طریقہ اس قدر بھونڈا اور مکروہ ہوتا ہے کہ جس کو نصیحت کی جا رہی ہے وہ نصیحت ماننے کی بجائے لڑنے جھگڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نصیحت حکمت آمیز پیرائے اور خوش ترین الفاظ میں کی جائے، لیکن اس حکم کے متعلق پرواہ نہیں کی جاتی، اسی لیے جھگڑا اور فساد برپا ہوتا ہے۔ آج کل تو لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ تم میں فلاں نقص ہے تو وہ سر توڑنے کو آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے جب کسی کو نصیحت کرنی ہو تو اس کو ہرگز ہرگز برا نہ کہو بلکہ جو عیب اس میں ہے اس عیب کو برا کہو، مثلاً جو آدمی جھوٹا، شرابی یا زانی ہو، مناسب موقع و محل دیکھ کر اس کے سامنے جھوٹ، شراب اور زنا کی برائی اور نقصان ایسے موثر الفاظ میں بیان کرو کہ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ لیکن اس طریقے کا اثر بھی صرف اسی حالت میں ہوگا جب کہ وہ تمہارے حسن اخلاق کا پہلے سے گرویدہ اور تمہاری بات ماننے کو تیار ہو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو نیکیوں کی دعوت دے اور برائیوں سے روکے، تو ظاہر ہے کہ یہ گروہ صرف علماء دین ہی کا ہو سکتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے ہاں صحیح معنوں میں ”علمائے دین“ اس قدر کم ہیں کہ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ ہر شخص جو چند کتابیں حدیث و فقہ کی پڑھ کر اور کچھ بے سروپا حکایتیں اور روایتیں یاد کر کے کسب معاش کی خاطر وعظ و نصیحت کا پیشہ اختیار کر لیتا ہے، عالم دین سمجھا جاتا ہے۔ ایسے خود ساختہ اور پیشہ ور علماء بجائے فائدے کے سخت نقصان پہنچاتے اور بجائے اصلاح کے قوم میں فساد برپا کرتے ہیں۔

انہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کر رہے ہیں''قوم کے مختلف فرقوں میں عناد و منافرت پیدا کرنے کے ذمہ دار اس قسم کے علماء ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ میری امت کا اختلاف باعث رحمت ہوگا، کیوں؟ محض اس لئے کہ اگر اختلاف خلوص اور نیک نیتی پر مبنی ہو اور اس میں عناد و منافرت کے جذبات کام نہ کر رہے ہوں تو ایسے اختلاف پر بحث و تمحیص سے اجتہاد کی راہیں کھلتی ہیں، حق آشکارا اور دین کی خوبیاں اجاگر ہوتی ہیں کون نہیں جانتا کہ ہمارے تمام فرقوں کے اختلافات اصولی مطلق نہیں محض فروعی ہیں اللہ تعالیٰ، رسول کریم ﷺ اور قرآن مجید کو سب ہی سچا جانتے ہیں۔ اس صورت میں اگر ایک فرقہ دوسرے پر لعن طعن نہ کرے، ان اختلافات پر صبر کرے اور ہر فرقہ کے فروعی عقائد کو ان کے نجی عقائد سمجھ کر درگزر کرے یا شرافت و اخلاق کے ساتھ بحث مباحثہ بھی کر لے تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن یہ پیشہ ور علماء اپنی جیبیں پر کرنے کے لئے مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے اور ملت کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔ ہماری رائے میں اس مصیبت کا واحد علاج یہ ہے کہ ہر اسلامی حکومت دو کام کرے، ایک تو یہ کہ تمام مذہبی مدارس کی نگرانی اپنے ذمے لے لے اور ان مدارس کے ہر فرقہ کے علماء سے ایسے نصاب مقرر کرائے کہ طلباء اپنے فروعی اختلافات پر قائم رہتے ہوئے بھی باہمی منافرت سے باز رہنا سیکھیں۔ دوسرے یہ کہ کسی فرقے کے کسی عالم کو پبلک یا پرائیویٹ جلسوں میں اس وقت تک تقریر کرنے یا وعظ کہنے کی اجازت نہ ہو جب تک وہ گورنمنٹ سے اس مقصد کے لئے باقاعدہ لائسنس حاصل نہ کر لے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس طریقے کے نفاذ پر قیامت برپا ہو جائے گی، لیکن غل و شور مچانے والے وہی لوگ ہوں گے جو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ملت میں فرقہ وارانہ تعصب اور منافرت پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ لیکن اتحادِ ملت کا مقصد اس قدر عظیم اور اہم ہے کہ اس بارے میں حکومتوں کو کسی کی بھی پرواہ نہیں کرنی چاہئے اور پوری طاقت سے ملی تباہی اور بربادی کے ان جراثیم کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے

فنا کر دینا چاہئے ۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس اصلاح سے ہماری مراد صرف جماعتی اور اجتماعی اصلاح ہے ۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو برائیوں سے روک ہی نہیں سکتا اور نیکی کی دعوت دے ہی نہیں سکتا ۔ بلاشبہ ہر مسلمان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کو نیکی کی دعوت دے اور برائی سے روکے لیکن یہ کام صرف ان آدمیوں کو کرنا چاہئے جو اس کے اہل ہوں اور نصیحت کا طریقہ جانتے ہوں، حکمت اور خوبی سے یہ کام انجام دے سکیں، فساد برپا نہ کریں۔

انصاف

جس آدمی میں انصاف کا مادہ نہ ہو اس میں تعصب پیدا ہو جائے گا اور جس میں تعصب ہو گا وہ حق بینی سے محروم رہ جائے گا جو سراسر گمراہی اور خسران ہے ۔ اگر کسی قوم کی اکثریت ایسی ہو تو وہ کبھی تباہی سے نہ بچ سکے گی، اس لئے اپنا اور قوم کا بھلا چاہتے ہو تو ہمیشہ انصاف کرو ۔ انصاف کیا ہے؟ یہ کہ تم پر منصبی اور معاشرتی اعتبار سے لوگوں کے جتنے بھی حقوق عائد ہوتے ہیں سب کو اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے حکم کے مطابق ادا کرو ۔

انتقام اور معافی

اگر چہ اللہ تعالیٰ نے انتقام اور قصاص لینے کا حکم دیا ہے، لیکن اس کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ تم خود قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لو ۔ جس نے تمہارا دانت توڑا، اس کا دانت توڑ دو، جس نے تمہاری آنکھ پھوڑی، اس کی آنکھ پھوڑ دو، جس نے تمہارے کسی رشتہ دار کو قتل کیا، اس کو قتل کر دو ۔ اگر ایسا ہونے لگے تو قوم و ملک کا سارا امن و انتظام دو دن میں درہم برہم ہو کر رہ جائے اور وہ فساد پھیلے کہ خود قوم کا نام و نشان باقی نہ رہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ نے یہ کام قاضیوں یعنی ججوں اور مجسٹریٹوں کے سپرد کیا ہے کہ وہ مظلوموں کی دادرسی کر کے مجرموں کو سزا دیں ۔ اکثر مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس قسم کے قصوروں کا نہیں تو کم از کم چھوٹی موٹی باتوں کا بدلہ تو ہم خود لے سکتے ہیں، مگر یہ خیال بھی غلط ہے ۔ ہم پوچھتے ہیں اگر تم کو کوئی گالی دیتا یا تمہارا کچھ مال

چرالیتا ہےتو کیا جواب میں تم بھی اس کو گالی دو گے یا اس کا مال چرالو گے۔اگر تم ایسا کرو گےتو تم بھی اسی جرم اور گناہ کے مرتکب ہو گے جو اس نے کیا ہےاور اسی سزا کے مستحق ٹھہرو گے جس کا مستحق وہ ہے ۔اگر اس طرح برائی اور گناہ کو جائز قرار دیا جائے تو نیکی کا نام بھی باقی نہ رہے گا۔ مسلمانوں کی قومی تباہی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ برائی کے بدلے برائی کو جائز سمجھتے ہیں۔ان کو یہ تو یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے ایسے ہی زخم لگانے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اسی آیت کا اگلا ٹکڑا ان کو یاد نہیں رہتا کہ ’’اگر مظلوم معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا‘‘۔ہم پوچھتے ہیں کہ اس سے بڑی جزا اور کیا ہوسکتی ہے کہ آپ کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور مرنے کے بعد ان کی سزا نہ بھگتنی پڑے۔پھر اس ٹکڑے کے بعد یہ بھی ہے کہ ’’جو لوگ اللہ کی کتاب کے مطابق حکم نہ دیں وہ بے انصاف ہیں‘‘۔(سورہ مائدہ آیت 48) آیت کے اس آخری ٹکڑے سے صاف ثابت ہو گیا کہ تم کو خود مجرم سے جرم کا بدلہ اور قصاص لینے کا حکم نہیں ہے بلکہ یہ کام قاضیوں کا ہے جو سزا کا حکم دیں گے۔

اس کے علاوہ **سورہ مومنون** میں یوں ارشاد ہوتا ہے ’’اے پیغمبر برائی کو بھلائی سے دفع کرو ہم خوب جانتے ہیں کہ تمہارے مخالفین تمہاری کیا صفات بیان کرتے ہیں‘‘ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو لوگ تمہارے منہ پر یا پیٹھ پیچھے تمہیں برا کہیں تو جواب میں نیکی سے پیش آؤ۔ پھر اس سے بھی زیادہ صاف **سورہ حٰم سجدہ** میں فرماتے ہیں۔کہ ’’برائی اور بھلائی برابر نہیں ہوسکتی۔اس لئے برائی کا جواب بھلائی سے دو تا کہ تمہارا عدو مثل تمہارے دوست اور رشتہ دار کے ہو جائے‘‘ اس سے زیادہ بلند اخلاقی اور کیا ہوسکتی ہے ۔دن رات کا تجربہ ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے ساتھ ہمیشہ برائی کرتا رہے اور تم جواب میں ہمیشہ نیکی سے پیش آتے رہو تو آخر میں وہ شرمندہ ہو کر تمہارا دوست اور محب بن جائے گا۔ان صاف صاف احکام کے باوجود ہمارے افراد ہی نہیں بلکہ ملت کے بعض طبقات بھی انتقاماً قانون کو ہاتھ میں لینا مذہباً جائز سمجھتے ہیں۔

مثال کے طور پر ہمارے سرحدی اور قبائلی پٹھانوں کو ہی لیجئے، ان کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے تو مقتول کے وارث موقع ملتے ہی قاتل کو قتل کر دیتے ہیں اور اگر اتفاق سے قاتل بچ جائے تو مقتول کی اولاد در اولاد میں سے کسی نہ کسی کو قتل کر کے دم لیتے ہیں۔ اب اس نئے قتل پر یہ ہوتا ہے کہ مقتول نمبر 2 کی اولاد اس کے خون کا بدلہ لیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قتل و خون ریزی کا یہ سلسلہ ہمیشہ بڑھتا ہی رہتا ہے کبھی ختم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ پٹھان عام طور پر ہتھیار باندھے بغیر گھر سے باہر نہیں جاتے، کوئی نہیں جانتا کہ کس وقت دشمن کا سامنا ہو جائے۔ یہ صورت حال جس قدر غیر مہذب، غیر اسلامی اور قومی ترقی کے لئے تباہ کن ہے، لیکن پٹھان اپنی علمی اور مذہبی جہالت کی وجہ سے اس کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں رکھتے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ یہ رسم ان کی مسلمہ بہادری کے دامن پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ اس سے ان کی بہادری ہی نہیں غیرت بھی رفتہ رفتہ ختم ہو رہی ہے۔ کیونکہ اس قسم کے انتقام کبھی بھی مقابلہ یا چیلنج کر کے نہیں لیے جاتے بلکہ جب بھی موقع ملتا ہے بدلہ لینے والے بے خبری میں پیچھے سے گولی چلا کر مخالف کو ہلاک کر ڈالتے ہیں یہ کسی طرح بھی بہادری اور غیرت نہیں کہلائی جا سکتی۔ اس رسم کی وجہ سے پٹھان ہی نہیں اسلام بھی تمام دنیا میں بدنام ہو رہا ہے اور ہو چکا ہے۔ غیر مسلم اقوام پروپیگنڈہ کرتی ہیں کہ پٹھانوں میں اس قسم کی وحشت و بربریت اسلامی تعلیم کی وجہ سے ہے۔ اس لیے قوم و مذہب کا درد رکھنے والے پٹھانوں کا فرض ہے کہ حکومت کی مدد سے اس صورت حال کو جلد از جلد ختم کر دیں اور اپنی خداداد قوتوں سے کام لے کر دوسری متمدن اقوام کے دوش بدوش کھڑے ہو جائیں، اور یاد رکھیں کہ انتقام کا یہ طریقہ انتہائی وحشیانہ اور گناہ کبیرہ ہے۔ جس شخص نے تمہارے باپ دادا کو قتل کیا تھا اگر وہ سزا سے بچ گیا تو تم اس کے پوتے یا بیٹے سے بدلہ نہیں لے سکتے، کیوں کہ وہ تو بے گناہ ہے نہ قتل کا ذمہ دار ہے نہ خود قاتل۔

اللہ کے ذکر کے اثرات

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے وہ ایک با مقصد اور عظیم کائناتی نظام کا حصہ ہے۔انسانی جسم کا ایک ایک عضو نظامِ حق کا حصہ ہے۔جو شے جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہو اسے اسی طرح استعمال کرنا ہی حق ہوتا ہے۔اگر ہم بے احتیاطی اور بد اعتدالی کی وجہ سے کوئی مضر صحت غذا کھالیں یا کسی عضو کا غیر صحتمندانہ استعمال کریں تو ہمارا معدہ یا متعلقہ عضو ہماری اس ناحق حرکت کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے اور بیمار پڑ جاتا ہے۔ہم خود اپنے اختیار کا غلط استعمال کرتے ہیں لیکن ہمارے اپنے جسم کے اعضاء ہمارے ناحق فیصلے میں ہمارا ساتھ نہیں دیتے کیونکہ وہ نظامِ حق کا حصہ ہیں۔موجودہ دور کی ایک حیرت انگیز ایجاد جھوٹ پکڑنے کا آلہ ہے جسے (Lie Detector) ''کذب نما'' کہا جاتا ہے۔اس میں ملزم کے خون کے دباؤ اور قلب و تنفس کی رفتار ماپنے کے لئے اس کے جسم کے مختلف حصوں پر حساس آلات لگا دیئے جاتے ہیں اور پھر اس کا بیان لیا جاتا ہے۔جب تک وہ سچ بولتا رہتا ہے اس کے جسم کے کل پرزے معمول کے مطابق چلتے رہتے ہیں لیکن جوں ہی وہ کوئی جھوٹ بولتا ہے تو اس کے اندر ہلچل مچ جاتی ہے اور فوری طور پر اس کے قلب و تنفس کی رفتار اور خون کا دباؤ اس کی چغلی کھاتے ہیں اور اس کا جھوٹ پکڑا جاتا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ خوبصورت اور پیچیدہ جسمانی مشین جھوٹ بولنے کیلئے نہیں بلکہ راہِ حق پر چلنے کیلئے عطا کی ہے۔اسی طرح گناہ کے سارے کام روحانی نظام کو مسخ کر دیتے ہیں۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں۔اور جان لو! کہ دلوں کا اطمینان اللہ کے ذکر سے ہی ہے۔انسانی قلب کو عرشِ الٰہی سے خاص نسبت ہے اور قلب ہی روحانی لہروں اور انوار کا Reciever Transmitter ریسیور اور ٹرانسمیٹر ہے۔قرآن حکیم میں بیسیوں جگہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے

اور لیٹے اپنے دل میں اللہ کو یاد کرتے رہا کرو کیونکہ قلبی ذکر ہی سے انسان کا اللہ تعالیٰ اور روحانی عالم سے تعلق قائم ہوتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور دیدار کی عظیم نعمت بھی اسی کی برکت سے عطاء ہوتی ہے۔اہل ایمان کے لئے اس ذکر کی برکات اور اس کے ثمرات بے حدو بے شمار ہیں لیکن اولین نعمت جو اللہ کے بابرکت نام کا کثرت سے ذکر کرنے سے ملتی ہے وہ اطمینان قلب ہے۔قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ تیرے رب **ذوالجلال والاکرام** کا نام ہی برکت والا ہے۔اب سائنسی طور پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ اس پاک نام کے ایک ایک حرف میں شفا اور رحمت کے خزانے چھپے ہوئے ہیں۔اسم ذات اللہ میں تین حروف الف ،لام اور ہا(ا،ل،ہ) استعمال ہوئے ہیں۔بلکہ کلمہ طیبہ کا پہلا جزو''لا الہ الااللہ'' جسے افضل الذکر فرمایا گیا ہے ان حروف پر ہی مشتمل ہے۔اس کلمہ طیبہ کی عظمت و برکت اور روحانی فضائل کا بیان تو احاطہ تحریر میں نہیں آسکتا لیکن ان تین حروف کی آواز کی تھرتھراہٹ اور صوتی اثرات میں بھی اللہ تعالیٰ نے ذہنی سکون اور قلبی اطمینان کا بے مثل سامان پوشیدہ کر رکھا ہے۔اب خدا کے وجود کے منکر اور روحانیت کے مخالف ڈاکٹر اور ماہرین نفسیات ،پریشان خیالی،ذہنی دباؤ اور تشویش میں مبتلا مریضوں کو ذہنی سکون پہنچانے کے لئے (LAA HAA TECHNIQUE)لا۔ہا ٹیکنیک استعمال کر رہے ہیں۔اس میں مریض کو خصوصی ہیلمٹ پہنا کر ساؤنڈ پروف چیمبر میں رکھا جاتا ہے اور پھر مشینوں کے پیدا کردہ لا۔ہا کے صوتی اثرات ہیڈ فون کے ذریعے اس کے دماغ تک پہنچائے جاتے ہیں۔جس سے وہ انتہائی سکون محسوس کرتا اور تروتازہ ہو جاتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کے صرف جزوی استعمال کی برکت ہے۔جو اہل ایمان لا الہ الااللہ کا ذکر روزانہ کرتے ہیں ان کی کیفیت کا کیا ہی کہنا ہے۔اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے مبارک کلام کی یکسوئی کے ساتھ تلاوت کی جائے تو اس میں پوشیدہ نور،رحمت او رشفاء کے اثرات محسوس ہونے لگتے ہیں۔اب تو منکرین کیلئے بس ایک آنچ کی کسر باقی ہے اگر وہ ایمان لا کر لا الہ الا اللہ کا ذکر کرنا اور ذکر کی بہترین صورت نماز کی ادائیگی شروع کردیں تو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ کے

فرمان کے مطابق قلب کی ساری سیاہی دھل جائے اور زندگی میں ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ انسان مومن کہلانے کا حق دار اسی وقت ہوتا ہے جب ایمان اس کے قلب میں داخل ہو جائے۔ اس نعمت کے حصول کا بہترین طریقہ اسم ذات یعنی "اللہ" کا قلبی ذکر ہے جسے اہل تصوف پاس انفاس کہتے ہیں۔یعنی یہ کوشش کرنا کہ کوئی سانس اللہ کی یاد کے بغیر نہ لیا جائے جو سانس اندر جائے اس کے ساتھ بھی دل سے اللہ کہا جائے اور جو باہر نکلے اس کے ساتھ بھی اللہ۔اس ذکر سے جسم کو راحت و آرام اور قلب کو سرور و اطمینان کی جو دولت ملتی ہے اس کا تجزیہ غیر مسلموں کو بھی کرایا جانا چاہیے تاکہ وہ علمی طور پر اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت کو محسوس کر کے دین اسلام کی عظمت کے قائل ہو جائیں۔مغربی معاشروں میں کبھی کبھی اتفاقیہ طور پر ایسے واقعات ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں اور انہیں خوب شہرت ملتی ہے۔امریکہ کے سینٹ لوئیس ہسپتال میں کیتھرائن نام کی ایک عورت چھاتی کے کینسر کی مریضہ تھی اور ڈاکٹروں نے اسے لاعلاج قرار دیدیا تھا۔اب وہ ہسپتال میں پڑی زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی تھی زندگی اور موت کی کشمکش میں اسے ایک دن اپنے مالک و خالق کا خیال آنا شروع ہو گیا۔ایک مرتبہ گہری سوچ کے دوران اس کے ذہن میں اپنی مرحومہ نانی کی صورت ابھری جس سے وہ زندگی میں اکثر پوچھا کرتی تھی کہ نانی اماں آپ ہر وقت چپکے چپکے کیا پڑھتی رہتی ہیں تو وہ مسکرا کر جواب دیتیں کہ بیٹی اپنے خدا کو جب بھی یاد کرو چپکے چپکے اور دل میں یاد کرو اور اس کے نور کو اپنے اندر جذب ہوتا ہوا محسوس کرو۔جب کیتھی اس کی وجہ دریافت کرتی تو نانی اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھرتی اور کہتی " کیونکہ بیٹی خدا کی یاد بھی خوراک ہوتی ہے،روح کی خوراک"یہ نہ ملے تو روح بیمار ہو جاتی ہے اور بیمار روح والے جسم زیادہ دن صحت مند نہیں رہتے تم بھی چپکے چپکے خدا کو یاد کیا کرو ورنہ کروڑوں لوگوں کی طرح اندر سے گل جاؤ گی۔

ایک دن اس نے اسی بات پر غور کیا کہ خدا کو کیسے یاد کیا جاتا ہے تو اس کے دل میں آواز آئی کہ خدا سے مدد مانگنا ہی اسے یاد کرنا ہے اس نے دل میں کہا Help Me GOD "اللہ میری مدد فرما" تو پھر " گاڈ" یعنی اللہ کا نام اس کے دل میں گھر کر گیا حتیٰ کہ اس نے ہر سانس

کے ساتھ یہ جملہ دہرانا شروع کردیا۔پھر ایسا ہوا کہ ہر سانس کے ساتھ اسے آسمان سے ایک سفید نورانی شعاع اترتی اور جسم میں داخل ہوتی ہوئی دکھائی دینے لگی جس سے اسے انتہائی سکون ملنے لگا یہ مبارک جملہ اس نے کتنی بار دہرایا اسے یاد نہیں اور جب تک جاگتی رہتی ہر سانس کے ساتھ "HELP ME GOD" کے الفاظ دہراتی رہتی اور جب سوجاتی تو اس کا دل یہی وظیفہ جاری رکھتا چند دن بعد کیتھرائن کی حالت حیرت انگیز طور پر بہتر ہونا شروع ہوگئی اور صرف تین ماہ بعد حیرت میں ڈوبے ہوئے ڈاکٹروں نے اسے مکمل طور پر صحت یاب قرار دے دیا۔

ڈاکٹروں اور طبی ماہرین نے جب کیتھی سے اس پر اسرار روحانی صحت یابی کا راز دریافت کرنا چاہا تو اس نے کہا اس کا نسخہ "ہیلپ می گاڈ" ہے اس دھما کہ خیز روحانی معجزے نے طبی دنیا کو ایک نیا رخ عطاء کیا۔ چنانچہ پورے امریکہ کے تمام معروف ہسپتالوں میں سروے کروایا گیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اللہ پر یقین رکھنے اور اس سے شفاء طلب کرنے والے مریض دہریہ مریضوں کی نسبت جلد صحت یاب ہو جاتے ہیں اس کے نتیجہ میں (Positive Thinking)، مثبت سوچ " کی تھیوری سامنے آئی ہے۔اور مریضوں کو یہ خوشخبری دی جارہی ہے کہ اگر وہ خدا کو سچے دل سے یاد کرتے ہوئے اس سے شفاء اور مدد مانگنے کا طریقہ اپنالیں تو لاعلاج امراض سے بھی مکمل اور یقینی شفاء حاصل ہوسکتی ہے۔مزید تحقیق سے دائمی ذکر، تسبیح و تہلیل اور نمازوں کے جسمانی اور روحانی فوائد آشکار ہوتے چلے جائیں گے اور ایک دن پوری نسل انسانی اللہ کے دین کی حقانیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

فرمان الٰہی

اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ وہ اپنی جگہ محتاج ہوں۔
حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچالئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں
(سورۃ الحشر ۵۹:۹)

باباجی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا مکتوب بنام محمد نذیر توحیدی

اللہ تعالیٰ آپ کو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم پر مزید ذوق وشوق سے عمل کی توفیق عطا کرتے ہوئے اپنی بندگی کے صراط مستقیم پر قائم رکھے اور اپنے قُرب سے مشرف فرمائے۔ ذکر پاس انفاس بہت بڑی دولت اور نفع بخش تجارت ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومنین کو جنت میں پہنچ کر کوئی حسرت نہ رہے گی سوائے ایک بات کے۔وہ یہ کہ دنیا کی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ کے ذکر کو زیادہ وقت کیوں نہ دیا۔سبحان اللہ!اس کا اجر اتنا بڑا،اور بڑھا ہوا ہوگا کہ کوتاہی پر حسرت آئے گی۔کیونکہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور قُرب نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت عطا ہو جائے تو انسان اپنی ہزاروں خامیوں اور کوتاہیوں پر قابو پا لیتا ہے۔لیکن انسان بہت علوم پڑھ لے لیکن محبت میں کمی ہو جائے تو اس کا مداوا نہ ہو پائے گا اور بڑا خسارہ ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے ہونا بھی کامیابی کی راہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا اس کے خاص بندوں کا چلن ہے۔اسی طرح تبلیغ کے نتائج بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دینے چاہئیں۔اور تحمل اور بردباری اور خوش مزاجی کے ساتھ مسلمان بھائیوں سے سلوک روا رکھنا چاہیے۔یہی حکمت کا تقاضہ ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو محبت اور محنت کے ساتھ یہ کام سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

پھوپھی زاد بھائی سے ناراضگی دور کرنے کیلئے آپ کا جذبہ قابل داد ہے۔اللہ تعالیٰ جانبین کے دلوں میں رحمت اور رافت پیدا فرمائے۔ہمسائے،مسلمان اور رشتہ دار یعنی تین نسبتوں والے آپس میں پیار اور محبت سے رہنے لگیں۔زندگی میں ایسا ہو ہی جاتا ہے لیکن کوشش ہونی چاہیے کہ پھر سے تعلقات معمول پر آجائیں۔اور جو بھی اس معاملہ میں پہل کرتا ہے خواہ وہ سچا ہی کیوں نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسے روحانی ترقی عطا فرماتا ہے اور خوشنودی سے نوازتا ہے۔

اسلامی معاشرے کی پہچان

(مولانا ابوالحسن ندویؒ)

جب حضور ﷺ کی بعثت ہوئی، اس وقت دنیا سے ایمان وعقیدہ اور اعمال حسنہ کلیتہً مفقود نہیں ہوئے تھے، صحیح عقیدہ رکھنے والے چند ایسے افراد موجود تھے جو اعمال صالحہ پر کارفرما تھے۔ لیکن عام طور پر انسانوں کے اعمال میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کمزوریاں شامل ہوگئی تھیں۔ اِنسان کی فطرت میں اچھائیوں کے ساتھ برائیاں کرنے کا مادہ بھی ہے۔ مثلاً خواہشاتِ نفس، جذبات اور ماحول کے فساد سے متاثر ہوجانا، اس سے جو خرابیاں ہوتی ہیں، وہ اس وقت پورے معاشرہ اور پوری انسانی زندگی پر حاوی ہوگئی تھیں، اس لئے اُن چند نیک بندوں کی مثال ایسی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے۔ یہاں سے اُڑ کر چلا گیا وہاں سے اُڑ کر چلا گیا نہ مسافر کو اس سے راستہ مل سکتا ہے اور نہ کوئی کام کرسکتا ہے۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے لیکن جگنو کی روشنی سے اتنا بھی ممکن نہ تھا کہ اس سے چراغ جلا لیں، نسل انسانی کی بدقسمتی یہ نہیں تھی کہ اچھے افراد بالکل نہیں رہے تھے کچھ افراد تو تھے لیکن یہ افراد انقلاب نہیں لاسکتے تھے۔ وہ منتشر تھے۔ ان افراد کے اندر دعوت کا جذبہ نہیں تھا۔ حالات سے بے چینی ایسی ہونی چاہیے کہ آدمی کی روح ہر وقت سلگتی رہے اس کا دل جلتا رہے اور اس کی آنکھیں اشک بار رہیں۔ سو ان افراد کی حالت یہ بھی نہیں تھی۔ وہ افراد دوسروں کی اصلاح سے مایوس ہوگئے تھے، اور اپنی خیر منا رہے تھے کہ ہمارا ایمان محفوظ رہ جائے۔ وقت کے ساتھ دنیا ضلالت کی طرف اور ہلاکت کے گڑھے کی طرف جارہی تھی۔ اس وقت دنیا کی بدقسمتی اور عالم انسانی کا سب سے بڑا خلا یہ تھا کہ صحیح اعتقاد اور اس اعتقاد کے مطابق عمل کرنے کا عزم، جذبہ اور صلاحیت یا انسانی سیرت واخلاق کی بلندی کا عملی نمونہ قوموں کی سطح پر، معاشروں کی سطح پر، ملکوں کی سطح پر، اور عالم گیر دعوت کی سطح پر نہ تھا۔ صرف محدود افراد کی سطح پر تھا۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ ایک مکمل

صاحب اقتدار اور صاحب دعوت معاشرہ، صحیح عمل، اخلاق اور عقیدے کی طرف دنیا کو بلاتا ۔ ایسے معاشرے کا فقدان دنیا کی سب سے بڑی بدنصیبی تھی ۔ اسی وجہ سے دنیا کی ہدایت کا کام نہیں چل رہا تھا اور ساری دنیا مفلوج اور پوری انسانیت معطل ہو کر رہ گئی تھی ۔ صالح لوگ انسانیت کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے اور وہ کسی غار کی گہرائی میں، کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنا ایمان اپنے سینے سے لگائے اور چراغِ ہدایت کو دامن کے نیچے لئے ہوئے تھے کہ ہوا کا جھونکا اس شمع کو بجھا نہ دے جیسے اس نے قوموں کے چراغ بجھا دیئے ۔ انسانی مستقبل کا مسئلہ اور مقصد کسی کے سامنے نہ تھا اور انسانیت کے تحفظ کیلئے کوئی انتظام نہیں تھا ۔ یہ بات اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ ایک معاشرہ ایک اُمت، ایک ملّت قوی دعوت پر عالمگیر نمونہ کی سطح پر ظہور میں نہ آئے ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت فرمائی ۔ بعثت کی دو قسمیں ہیں ایک بعثت واحدہ یعنی نبی کی بعثت، دوسری بعثت مقرونہ یعنی نبی کی بعثت کے ساتھ ایک پوری اُمت کا رِنبوت کو عالمگیر بنانے کیلئے مبعوث کی گئی ۔ اس لئے کہ دنیا کی گمراہی، دنیا کی جہالت اور دنیا کا مستقبل اتنا خطرے میں تھا کہ افراد کی سعی حالات میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی تھی ۔ اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا دوسری طرف پوری اُمت کو مبعوث فرمایا ۔ ایک اُمت کا اخراج ہوا ۔ چنانچہ جب ایرانیوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ کون سی چیز تمہیں یہاں لائی ۔ تم صحرا سے نکل کر یہاں کیوں آئے اور اس کا کیا محرک ہے تو انہوں نے کہا کہ اللہ نے ہمیں مبعوث کیا ہے تا کہ ہم لوگوں کو بندوں کی بندگی اور غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی میں داخل کریں ۔ دنیا کی تنگی سے، دنیا کے قفس سے نکال کر کونین کی بے کراں وسعتوں سے ہم ان کو آشنا بنائیں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف کا مزہ چکھائیں ۔

آپ کو اگر کسی خدا شناس بندے سے ملنا ہو اور یہ معلوم کرنا ہو کہ خدا شناسی کیا ہوتی ہے ۔ خوفِ خدا کیا ہوتا ہے، اچھے اخلاق کیا ہوتے ہیں تو ہم آپ کو فلاں فلاں بزرگ سے ملا دیں گے ۔ اس سے دنیا ہدایت نہیں پاتی اور دنیا میں کوئی بڑا انقلاب رونما نہیں ہوتا ۔ دنیا جب تو جہ اور

غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے جب مکمل معاشرے کی سطح پر، پورے تمدن کی سطح پر صحیح اور مکمل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کیا جائے جس پر ساری دنیا کی نگاہیں پڑ سکیں اور قوموں اور ملکوں کی نگاہیں جائزہ لے سکیں کہ اسلام کا عقیدہ انسان کی زندگی میں کیا تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ روشنی اور ہدایت کا نور اسکی زندگی کو کس طرح سے ڈھال سکتا ہے اسلامی عقائد اور شریعت کی تعلیمات کس طرح کا معاشرہ پیدا کرتی ہیں، کس طرح اخلاق پیدا کرتی ہیں جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک پوری انسانیت تو کیا، انسانیت کا کوئی چھوٹا سا کنبہ اور گوشہ بھی توجہ کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔ آج بھی دنیا کی ضرورت یہ ہے کہ کوئی ملک کوئی معاشرہ اسلامی زندگی کی نمائندگی کر رہا ہو اور اپنے عمل سے بتا رہا ہو کہ اسلامی اخلاق کیسے ہوتے ہیں۔ مسلمان کس طرح معاملہ کرتا ہے۔ مسلمان کس طرح اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ صداقت خواہ اس میں ہزار خطرے ہوں وہ نجات دینے والی ہے۔ سچ بولنا نجات دیتا ہے، غلط بیانی اور غلط طرز زندگی انسان کو ہلاک کرتا ہے۔ آج پورے عالم اسلام کی کمزوری یہ ہے کہ ہم کسی ایک ملک کا نام نہیں لے سکتے کہ آنکھ بند کر کے تم اس میں چلے جاؤ دیکھ لو کہ اسلام کیا ہوتا ہے، اسلامی اخلاق کیا ہوتے ہیں، مسلمان جھوٹ نہیں بولتا۔ مسلمان ناپ تول میں کمی نہیں کرتا۔ مسلمان دھوکہ نہیں دیتا، مسلمان زر کا پرستار نہیں ہے، مسلمان وقتی منافع کیلئے دائمی منافع کو قربان نہیں کرتا، مسلمان ظلم کرنا نہیں جانتا، مسلمانوں نے دھوکہ دینے کا سبق پڑھا ہی نہیں۔ مسلمان اپنے ضمیر کے خلاف نہیں کر سکتا، مسلمان جس بات کو حق سمجھتا ہے اس پر اپنا گھر لوٹا سکتا ہے اور اس پر سر کٹا سکتا ہے لیکن کفر و ضلالت اور ظلم و ستم کا راستہ اختیار نہیں کر سکتا۔

آج دنیائے اسلام کی سب سے بڑی احتیاج، اُس کی سب سے بڑی طلب، اس کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ کوئی ایسا معاشرہ تیار ہو جائے۔ جس کی طرف انگلی اٹھا کر ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں کہ اسلام کو دیکھنا ہو تو اس کو دیکھ لو۔ وہ معاشرہ چھوٹا ہی سہی، اس ملک کا رقبہ کچھ سہی۔ اصل چیز وزن ہے۔ معاشرے تولے جاتے ہیں، معاشرے ناپے نہیں جاتے۔ افراد تولے جاتے ہیں، گنے نہیں جاتے۔ اصل چیز حقیقت ہے، کردار ہے، سیرت ہے

جہاں ایسا معاشرہ قائم ہوگا، اس ملک کا ذکر کرتے ہوئے دوسروں کی گردنیں جھک جائیں گی۔ سب اس کا احترام سے نام لیں گے، ایسے معاشرہ کا قیام ہی اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے۔لیکن مشرق سے لیکر مغرب تک ہم کسی ملک پر اس اعتبار سے فخر نہیں کر سکتے۔

آج ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ ہماری نگاہیں نیچی ہوجاتی ہیں۔ ہماری قوت گویائی اُس وقت جواب دے جاتی ہے، جب کوئی ہم سے پوچھتا ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیمات کے زمانے میں جو انقلاب برپا ہوا تھا۔آج اس کی کوئی عملی مثال نہیں ملتی۔کسی محدود خطے کا تعین کر کے بتاؤ کہ مکمل طور پر آج اسلامی سیرت کہاں پائی جاتی ہے۔ایسا خطہ جہاں چوری نہیں ہوتی۔ جہاں دھوکہ نہیں ہوتا، جہاں فسق وفجور نہیں ہوتا، جہاں دولت ہی کو سب سے بڑی دنیاوی کامیابی نہیں سمجھا جاتا۔ یہاں آکر ہمارا سر جھک جاتا ہے۔ہمارا منہ بند ہوجاتا ہے۔

یہ سیرت کا اہم معمہ ہے۔ایک علمی اور تاریخی سوال ہے کہ صلح حدیبیہ سے لیکر فتح مکہ تک جو مشکل سے دو سال ہیں۔اُس میں جس تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے اور عرب قبائل نے جس تعداد میں اسلام قبول کیا، وہ مکہ معظّمہ کی پوری تیرہ سالہ زندگی میں اور مدینہ طیبہ کی آٹھ برس کی زندگی میں دیکھنے میں نہیں آیا۔حالانکہ قرآن مجید کا نزول بھی ہورہا تھا اور وہ ذاتِ اقدس ﷺ موجود تھی جس کی ایک نگاہ انسان کی قسمت بدل دیتی تھی لیکن سیرت کا غور سے مطالعہ کرنے والے پوچھتے ہیں کیا بات ہے کہ تین برس کے اندر جس تیزی کے ساتھ اسلام پھیلا ہے اور جس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے ہیں پورے انیس برس میں نہیں ہوئے اس کا کیا جواب ہے۔؟اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار عرب کو اور خاص طور پر کفار مکہ کو مدینہ طیبہ کے مسلمانوں سے ملنے کے آزادانہ مواقع میسر آئے، مکہ سے شام اور شام سے مکہ آتے جاتے لوگ اپنے مہاجر بھائیوں سے ملتے تھے اور ان کے مہمان ہوتے تھے ان کو مسلمانوں کی زندگی قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا جس کے نتیجے میں ایمان ان کے دل میں اتر جاتا تھا۔وہ سمجھتے تھے کہ اسلام نے ان کی زندگی میں کتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا، ہمارے اور ان کے نسب میں، زبان میں کوئی فرق نہیں،

ہمارے وطن میں کوئی فرق نہیں، ہماری زبان بھی ایک ہے۔اسی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے پھر کیابات ہے کہ ہم حیوانوں کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ فرشتوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ مہمانوں کے کھلانے کیلئے اپنے بچوں کو بھوکا رکھتے ہیں یا اپنے بچوں کے سامنے سے روٹی اٹھا کر پردیسی مسافروں کے سامنے رکھ دیتے ہیں کہ جن سے ان کے دین کا اختلاف ہے، عقیدہ کا اختلاف ہے اور طرزِ عمل کا اختلاف ہے کیابات ہے؟ یہ انقلاب ان میں کیسے آیا؟

انسان آخر انسان ہے سوچنا اس کی فطرت ہے اندر جو سوال اُبھرتے ہیں ان کا جواب دینا اس کی فطرت ہے کتنا ہی انسان کا ضمیر سو جائے لیکن وہ مرتا نہیں ہے وہ جاگ اُٹھتا ہے، ان کے دل نے ان سے سوال کیا اور جب دل سوال کرے تو اس کا ٹالنا آسان نہیں ہوتا ہم، آپ سوال کریں۔راہ چلتا کوئی سوال کرے، تو اس کو دس بہانوں سے خاموش کیا جا سکتا ہے لیکن جب دل پوچھنے لگے جب دیکھنے والی آنکھیں پوچھنے لگیں، جب سننے والے کان پوچھنے لگیں کہ اللہ کے بندو! بتاؤ کہ یہ کل مکہ سے آئے تھے، ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے یہ ایک دم کیسے بدل گئے، یہ جھوٹ نہیں بولتے، دھوکہ نہیں دیتے، کمزوروں کی کمزوریوں کو دیکھ کر اور بیماری دیکھ کر، مظلوم کی مظلومیت دیکھ کر ہمدردی کے آنسو ان کی آنکھوں سے جاری ہو جاتے ہیں یہ بے تاب ہو جاتے ہیں یہ کسی کو کسی پر ظلم کرتے دیکھ نہیں سکتے۔ دوسروں کو کھلائے بغیر ان کے حلق سے نوالہ نہیں اترتا اپنے مہمانوں کا خیال اپنے بچوں سے زیادہ کرتے ہیں، ان کو دنیا کی کوئی طاقت خرید نہیں سکتی یہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں۔یہ انقلاب عظیم آخر کہاں سے برپا ہوا۔پھر انہوں نے خود جواب دیا کہ کوئی چیز تلاش کرنے سے بھی نہیں معلوم ہوتی ایک غذا کھاتے ہیں ایک ہی طرح کا کپڑا ہم پہنتے ہیں۔ساری چیزیں ہمارے ان کے درمیان مشترک ہیں، پہناوا ایک، غذا ایک، زبان ایک، لہجہ ایک، آب و ہوا ایک، وطن ایک، قوم ایک، پھر کیابات ہے کہ یہ فرشتے ہیں اور ہم حیوانوں سے بدتر، وہاں ان کو جواب ملتا تھا کہ یہ اسلام کا کرشمہ ہے اس سے وہ مسلمان ہوتے چلے جا رہے تھے۔دینِ اسلام میں لوگ فوج در فوج داخل ہونے لگے۔آج کا اصل کام ایک یہ ہے

کہ کسی چھوٹی سی جگہ ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم کریں۔ خواہ وہ سیاسی طور پر ملک یا حکومت کہلانے کا مستحق نہ ہو کہ جہاں جب کبھی کوئی غیر مسلم باہر سے آئے تو وہ کلمہ پڑھ لے اور کہے کہ ہم نے ایسا اچھا پاکیزہ معاشرہ نہیں دیکھا۔ لیکن اگر یہ نہیں ہے، آپ کے اندر دولت کی لائی ہوئی تمام خرابیاں موجود ہیں آپ کے اندر باطل کے خلاف کہنے اور چلنے کی صلاحیت موجود نہیں ہے، آپ پیسے کو ترجیح دیتے ہیں صداقت پر، انصاف پر، آپ کے اندر بھی وہی نسلی تعصب، خاندانی تعصب، علاقائی تعصب اور لسانی تعصب ہے۔ جو دوسرے مذاہب کی مختلف قوموں، نسلوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں میں پایا جاتا ہے تو یقین مانیئے کہ ہم اسلام کی صداقت دنیا پر ثابت نہیں کر سکتے، اور ہم اسلام کی نمائندگی کرنے کے اہل نہیں ہیں، اور ہم دنیا کو مایوس کریں گے۔ یہاں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو کسی غیر اسلامی ملک میں ہوتا ہے بلکہ وہ بھی ہو رہا ہے جو سمجھ دار آزاد ملکوں میں نہیں ہو رہا۔ وہاں سیاسی شعور ہے وہاں ہر شہری کو احساس ذمہ داری ہے جو بہت سی پستیوں سے بہت سی برائیوں سے بدعنوانیوں سے ان کو روکتا ہے یہاں وہ بھی نہیں ہے یہ بڑی مایوسی کی بات ہے۔

ہم جب تک اپنا معاشرہ درست نہیں کریں گے اپنے اخلاق درست نہیں کریں گے۔ جب تک ہم دنیا کے سامنے معیاری مثالی معاشرہ پیش نہیں کریں گے ہم اسلام کی سچائی کو ثابت نہیں کر سکیں گے، اس وقت اسلام کی سب سے بڑی خدمت اور دنیا کی سب سے بڑی ضرورت ایسا اسلامی معاشرہ ہے۔ تنہا گھروں کی سطح پر نہیں صرف مساجد کی سطح پر بھی نہیں۔ ہاں بازاروں کی سطح پر اور بین الاقوامی مجمعوں کی سطح پر ایک خطہ ارضی تو کم از کم ایسا ہو جہاں پر اسلام کی صحیح زندگی آنکھوں سے دیکھی جا سکے۔ تخیل اور خیال آرائی سے کام نہیں چل سکتا۔ اس معاشرے کی پہچان یہ ہوگی کہ اُس معاشرے میں امن ہوگا، قانون کی پابندی ہوگی، فکر آخرت اور خدا خوفی ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر فرد، ہر گروہ، ہر جماعت ہر قوم امن کی تلاش میں سرگرداں اور پریشان ہے۔ حقیقی امن صرف اُس معاشرے میں مل سکتا ہے جہاں اللہ کے بتائے ہوئے ضابطہ حیات کے مطابق زندگی بسر ہوتی ہے وہاں سکون اور امن ہوتا ہے اور آسودگی میسر ہوتی ہے۔

ایسی قوموں کی دماغی صلاحیتیں بھی اُجاگر ہو جاتی ہیں۔اسلامی معاشرہ میں جس میں نہ کسی کی بے جا سفارش چلتی ہے نہ کسی سے رورعایت ہوتی ہے نہ کسی پر زیادتی ہوتی ہے۔اس معاشرہ میں خوف و حزن کا دخل نہیں ہوسکتا اور دنیا کا کون سا انسان ہے جو ایسے معاشرے کا فرد ہونا قبول نہیں کریگا۔

نبی اکرم ﷺ نے مختصر مدت میں نہ صرف تمدن کی دنیا میں بلکہ انسانی قلوب کی بستیوں میں حیران کن انقلاب پیدا کر دیا۔انسانوں تک نہ صرف اللہ کا قانون پہنچایا بلکہ نافذ کر دیا۔بلکہ یہ بھی اعلان کر دیا کہ میں سب سے پہلے اس قانون کی اطاعت کرتا ہوں۔

پھر جانثاران اسلام نے اپنے آپ کو قواعد اسلامی کا پابند بنالیا تھا جس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں امن پیدا ہو گیا۔اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ انسانی صلاحیتوں کی نشو نما ہو گئی۔انسان کے اندر بے پناہ قوتیں موجود ہیں جب یہ قوتیں اُبھر کر بروئے کار آجائیں تو ان کی رو سے پیدا شدہ انقلاب کا کیا ٹھکانہ ہے ایسے لوگ عام انسان نہیں رہتے بلکہ ان سے بلند ہو کر کچھ اللہ کے پسندیدہ بندے بن جاتے ہیں پھر ان کا مقابلہ وہ لوگ کبھی نہیں کر سکتے جن کی صلاحیتیں دبی ہوئی ہیں۔بس ہمارا کام ایسے معاشرے کا قیام کرنا ہے جس سے ساری دنیا کی کایا پلٹ جائے۔سب اس کی اچھائی محسوس کرلیں اور خود اس معاشرہ کا فرد بننا پسند کریں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں۔

حدیث مبارکہ

حضور تاجدار مدینہ ﷺ کا فرمان ہے، جب دو مسلمان باہمی ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں تو 100 رحمتیں ان پر نازل ہوتی ہیں اور ان میں سے 90 رحمتیں پہلے سلام کرنے والے کیلئے ہوتی ہیں اور 10 جواب دینے والے کیلئے۔

(کیمیائے سعادت)

من کی آلودگی

(اشفاق احمدؒ)

ساری دنیا آلودگی میں مستغرق ہے اور یہ آلودگی نہ صرف انسانی زندگی بلکہ شجر و حجر اور حیوانات کو بھی کھائے چلی جا رہی ہے۔ اس کے دور رس نقصانات ہیں اور اس کے خاتمے کی طرف خصوصی توجہ دی جانی چاہیے۔ انسانی زندگی میں دو متوازی لہریں ایک ساتھ چلتی ہیں ایک تو ہماری اپنی زندگی ہے اور ایک زندگی کا نامعلوم حصہ ہوتا ہے اس حصہ کو ہم کو جانتے نہیں ہیں لیکن محسوس ضرور کرتے ہیں یہ حصہ ہماری زندگی کی اس لہر کے بالکل ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے جو اس دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ اس وقت مجھے ان بابوں کا خیال آیا جن کا میں اکثر ذکر کرتا رہتا ہوں کہ وہ بابے Pollution کے بارے میں خاصے محتاط ہوتے ہیں اور انہیں اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ کسی بھی صورت میں آلودگی نہ ہونے پائے اور وہ اس حوالے سے خاص اہتمام کرتے ہیں۔ یہ عالمی آلودگی کی مہم سے پہلے کی بات ہے جب ڈیروں پر ایک ایسا وقت بھی آتا تھا کہ ڈیرے کا بابا اور اس کے خلیفہ آلودگی کے خلاف اپنے آپ کو باقاعدہ اور بطور خاص اہتمام میں مصروف رکھتے اور آنے جانے والوں کو اس آلودگی کی بابت آگاہ کرتے تھے جو انسان کی اندرونی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ ان بابوں کا باہر کی آلودگی سے زیادہ تعلق نہیں ہوتا۔ ان بابوں کا خیال ہے کہ جب تک انسان کے اندر کی آلودگی دور نہیں ہوگی باہر کی آلودگی سے چھٹکارا حاصل کرنا مشکل ہے۔ جب تک انسان کے اندر کی معیشت ٹھیک نہیں ہوتی چاہے باہر سے جتنے بھی قرضے لیتے رہیں باہر کی معاشی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ اسلئے اندر کی طرف زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ ان بابوں کا یہ خیال تھا جو بڑا جائز خیال تھا کہ ہماری بہت سی بیماریاں ہماری اندرونی آلودگی سے پیدا ہوتی ہیں وہ کہا کرتے تھے کہ دل کے قریب ایک بہت بڑا طاق ہے اور اس طاق کے اندر بہت گہرے گہرے دراز ہیں۔ ان درازوں کو نکال کر اوندھا کر کے صاف کرنے کی

ضرورت ہے کیونکہ ان میں عرصہ دراز سے جالے لگے ہوئے ہیں اور طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے دل کے والو بند ہو رہے ہیں اور ظاہر کی زندگی میں یہی تصور ابھرتا ہے دل کی نالیاں بند ہونے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اس کے ارد گرد آلودگی جمع ہو چکی ہوتی ہے۔ اور وہ خطرناک حد تک جمع ہو جاتی ہے۔ اور انسان کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ انسان خود کو ٹھیک ٹھاک خیال کرتا ہے لیکن دل کے قریب آلودگی بڑھتی چلی جاتی ہے۔

دل کی آلودگی جاننے کیلئے تو ایک اور طرح سے جھانکنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں نگاہ ڈالنے کیلئے ایک اور زاویہ نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے ان بابوں کا خیال ہے کہ نفرت کی وجہ سے ہیپاٹائٹس B پھیلتا ہے اس بیماری کا سبب شدید نفرت ہے پہلے یہ بیماری اتنی نہیں تھی۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ پاکستان نیا نیا بنا تھا۔ ہم تب خوشی کے ساتھ گھومتے پھرتے تھے اور جب ہمیں کوئی کار بڑی خوبصورت لگتی تو اس کو ہاتھ لگاتے تھے اور بڑے خوش ہوتے تھے۔ ہم نے مال روڈ پر کتنی ہی خوبصورت کاروں کو ہاتھ لگایا۔ تب ہمیں معلوم بھی نہ تھا کہ Jealouse بھی ہوا جاتا ہے۔ اب برداشت نہیں ہوتا۔ اب یہ کیفیت ہے کہ اب والد بیٹے، اور بیٹا والد سے حسد کرتا ہے۔ رستم سہراب کی طاقت وشہرت اور اس کی ناموری سے حاسد ہوتا تھا اور دونوں کا آپس میں ٹکراؤ بھی ہوتا تھا اور سہراب اپنے سگے بیٹے رستم کو قتل بھی کرتا ہے۔ آدمی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کی شدید نفرت خود اسے ہی کھائے جا رہی ہے کو اس نے اپنے اوپر عجیب طرح کا خول بد نیتی سے نہیں چڑھایا ہوتا ہے بلکہ معاشرتی تقاضوں کی بدولت ہی ایک خول اس پر چڑھ جاتا ہے۔ بہت بڑے آرٹسٹ خدا بخشے زوبی ہوتے تھے۔ ان سے ایک دفعہ ایک بلوچ جاگیردار نے تصویر بنوائی جب جاگیردار صاحب کی خدمت میں وہ تصویر پیش کی گئی تو انہوں نے کہا کہ اس میں تو میری شکل ہی نہیں ملتی۔ یہ تصویر میری لگتی ہی نہیں ہے۔ وہاں ان کے جو پندرہ بیس حواری بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بھی کہا کہ جی سائیں یہ شکل تو آپ سے ملتی ہی نہیں ہے۔ اب وہ آرٹسٹ بڑے شرمندہ ہوئے اور ان کی طبیعت پر بڑا بوجھ پڑا وہ تصویر واپس لے آئے کراچی میں ان دنوں ان کے

فن پاروں کی نمائش ہوئی تو انہوں نے اس نمائش میں اس تصویر کے نیچے جاگیردار کا نام مٹا کر چور لکھدیا۔ اب ان صاحب کو بھی اس بات کی خبر پہنچی تو وہ اپنا موزر یا تلوار لے کر وہاں سے بھاگے اور انہوں نے بھی آ کر تصویر دیکھی جس کے نیچے چور لکھا ہوا تھا وہ بڑے سخت لہجے میں آرٹسٹ سے گویا ہوئے اور کہا کہ تمہیں ایسی حرکت کرنے کی جرات کیسے ہوئی۔ آرٹسٹ نے کہا کہ یہ آپ کی تصویر نہیں ہے اور آپ نے خود ہی کہا تھا کہ میری اس تصویر سے شکل نہیں ملتی۔ اور آپ کے حواریوں نے بھی یہی کہا کہ حضور یہ آپ کی تصویر نہیں ہے۔ آپ نہ میرے اوپر کوئی کلیم کر سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی مقدمہ کر سکتے ہیں۔ جاگیردار صاحب کہنے لگے کہ پکڑو پیسے اور یہ تصویر میرے حوالے کرو اور 32 ہزار روپے دیکر بغل میں اپنی تصویر مار کر چلے گئے انسان کو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ چور ہے یا سعد ہے۔ نیک ہے یا بد ہے وہ چاہے جتنی بھی کوشش کرے اس پر اپنی اصلیت ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ اس کے پاس مراقبے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو Face کرنے کے بعد ہی خوبیاں خامیاں عیاں ہونگی اور انسان اپنی خرابیاں دور کر سکے گا۔ جب آپ کو پتہ چلتا ہے کہ میرے چہرے پر ایک پھنسی ہوگئی ہے تو وہ آپ کو ڈسٹرب کرتی ہے لیکن جب وجود کے اندر، روح کے اندر کوئی بیماری آ جاتی ہے تو پھر اس کا علم نہیں ہوتا۔ ہمارے بابے ایک بات پر بڑا زور دیا کرتے تھے ان کا فرمان تھا کہ آپ نے دل کے دراز کے مختلف کونوں میں جو گلدستے پھینکے ہوئے ہیں، جو عقیدت کے گلدستے ہیں انہیں نکال کر باہر پھینکو کیونکہ ان کی بدبو بڑی شدید ہوتی ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ جب گلدستہ پانی میں کافی دیر تک پڑا رہے تو پھر اس کے اندر بدبو پیدا ہو جاتی ہے وہ بدبو سنبھالی نہیں جاتی۔ بابے کہتے تھے کہ ان بوسیدہ گلدستوں کو نکال کر پھینکنا بہت ضروری ہے۔ اب ہم ان سے جھگڑا کرتے کہ بابا جی عقیدت کے گلدستوں کو کیسے اور کیونکر دل سے باہر نکال پھینکا جائے انہوں نے کہا دیکھو جن گلدستوں کو تر و تازہ رہنا چاہیے تھا وہ آپ کے وجود کے اندر پڑے ہوئے تر و تازہ نہیں رہے ہیں۔ زیادہ دیر پڑے رہنے کے باعث بدبودار ہو گئے ہیں اور آپ کو ان گلدستوں یا بدبو سے محبت اور عقیدت ہو گئی ہے اور آپ انہیں باہر نہیں پھینکتے

جوں جوں آپ کی بیرونی زندگی میں ماؤتھ واشز بنتے جائیں گے اور غرارے کرنے کی جتنی بھی دوائیں بنتی جائیں گی یہ اندر کی بدبو کو ختم نہیں کرسکتیں۔اب کئی ملٹی نیشنل کمپنیاں منہ میں خوشبو پیدا کرنے کیلئے ادویات بنا کر ہمیں دے رہی ہیں اور کروڑوں روپے اکٹھے کر رہی ہیں لیکن ان ادویات کے استعمال کے باوجود اندر سے بدبو کے ایسے بھبھکے نکلتے ہیں کہ یہ چیزیں اسے کنٹرول ہی نہیں کرسکتیں۔حالانکہ خدا نے انسانی جسم بہترین ساخت پر بنایا ہے۔یہ نہا دھو کر صاف ہو کر اچھا ہو جاتا ہے لیکن اب اندر کی بدبو نہیں جاتی ہے۔ہم بابا جی سے پوچھتے یہ کس قسم کی عقیدت کا گلدستہ ہے فرمانے لگے کہ مثال کے طور پر تم نے ایک گلدستہ بڑا سجایا ہوا تھا اور اس گلدستہ کا نام "مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں" رکھا ہوا تھا اب وہ گل سڑ گیا ہے۔آپ نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں بلکہ اسے صرف دکھانے کیلئے گلدستے کے طور پر رکھا ہوا تھا اور ایسے ہی رکھ کر گلنے سڑنے دیا ہے۔آپ نے ایک گلدستہ "لوگوں کے ساتھ اچھی بات کرو" بھی رکھا تھا اب وہ بھی پڑا پڑا بدبودار ہو گیا ہے۔آپ نے عدل وانصاف کے گلدستہ کو بھی خراب کر دیا ہے بابا جی کہا کرتے تھے کہ عقیدت کا جو گلدستہ سب سے زیادہ خراب ہوا ہے وہ بے انصافی ہے۔انسان نے عدل سے منہ موڑ لیا ہے۔حالانکہ انسان اور خاص کر مسلمانوں کے سارے نظام کی بنیاد عدل پر ہے۔ہمیں ہر جگہ عدل کا حکم ہے آپ کسی کی شکل سے نفرت کرتے ہوئے کسی کو انصاف کی فراہمی روکنے کے مجاز نہیں ہیں اسلام کہتا ہے کہ تم کسی سے محبت نہ کرو اس پر مواخذہ نہیں لیکن بے انصافی اور عدل نہ کرنے پر مواخذہ لازم ہے۔ان گلدستوں کو تر و تازہ کرنے کیلئے باقاعدہ ایک عمل کرنا پڑتا تھا اور بابا جی کے پاس بہت دیر تک رہنا پڑتا تھا۔کچھ راتیں بسر کرنا پڑتی تھیں۔کچھ ایسے محلول بھی پینے پڑتے تھے۔گاؤزبان اور ایک الائچی اس وقت کھانے کو دی جاتی کہ جب نماز تہجد کا وقت شروع ہوتا اور اس کا ایک مفرح قسم کا قہوہ پینے کو ملتا تھا۔ہمیں ڈیرے پر ایک خوشبودار دوا اسطخدوس کی چائے پلائی جاتی اس کو دماغ کے جالے صاف کرنے والی دوا کہا جاتا تھا۔ویسے تو اللہ نے آپ کو بہت اچھا اور خوبصورت ذہن دیا ہے اس میں آلودگی نہیں ہے

لیکن اگر آپ کا دل چاہے کہ آپ اندر کی صفائی کریں اور اس عمل میں سے گزریں تو آپ کو ایک بہت بڑی مشکل پیش آئے گی اور آپ کو لگے گا کہ صفائی ہو رہی ہے لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہوگا بلکہ صفائی کے عمل میں ذرا سی کوتاہی سے اس میں اور آلودگی شامل ہو جائے گی۔

انسانی زندگی میں عجیب عجیب طرح کی کمزوریاں آتی ہیں اور آدمی ان میں پھنسا رہتا ہے اور جب وہ اپنی اندرونی طہارت چاہتا بھی ہے اور پاکیزگی کا آرزومند بھی ہوتا ہے تو پھر اس میں سے کوئی نہ کوئی ایسی کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے کہ وہ بجائے صفائی کے مزید زنگ آلود ہو جاتا ہے میں یہ سمجھتا ہوں اور یہ میرا پیغام دنیا کیلئے ہے کہ جب تک اندر کی صفائی نہیں ہوگی اس وقت تک باہر کی آلودگی دور نہیں ہو سکتی ہے آپ روز شکایت کرتے ہیں اور آپ آئے روز مدیر کو خط لکھتے ہیں کہ جی دیکھیں ہمارے گھر کے آگے گندگی پڑی ہوئی ہے اور ہمارے محلّہ میں گندگی ہے اور دل سے یہ آپ کی آرزو نہیں ہے کہ صفائی ہو۔ آپ نے اپنے اندر ابھی تک یہ طے ہی نہیں کیا کہ آپ نے اب صفائی کرنی ہے۔ یہ بات اس وقت طے ہوگی جب آپ کو پاکیزگی اور صفائی سے محبت ہوگی اور آپ نقلی خوشبوؤں کے سہارے زندگی بسر کرنے کی بجائے اندر کی آلودگی ختم کر دینے کا نہ سوچیں۔ آپ نے بہت سنا ہوگا کہ پاکیزہ لوگوں کے بدن کی خوشبو ایسی مفرح اور مسحور کن ہوتی ہے کہ ان کے قریب بیٹھنے سے بہت ساری آلودگیاں دور ہو جاتی ہیں چاہے انہوں نے کوئی خوشبو، عطر نہ لگایا ہو۔

آپ بابوں کا طریقہ کار اختیار کریں یا نہ کریں یہ آپ کی اپنی مرضی ہے لیکن انہوں نے روح کی صفائی کیلئے جو ترکیبیں بنائی ہوئی ہیں ان کو آپ اپنا سکتے ہیں اور ان کو اپنائے جانے کے بعد لوگوں کو بڑی آسانیاں عطاء کی جا سکتی ہیں۔

(ماخوذ از زاویہ)

زندگی کی طوالت کا راز اور مقصدِ حیات

(سلطان بشیر محمود ستارہ امتیاز)

سائنسی طور پر یہ چیز ثابت شدہ ہے کہ زندگی کی طوالت کا ایک راز حفظانِ صحت کے اصولوں میں ہے۔ جو قومیں اپنی صحت کا خیال رکھتی ہیں ان کی عمریں بھی نسبتاً زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ عمروں کی طوالت ماحول اور علاقہ پر بھی منحصر ہے مثلاً وادی ہنزہ کے لوگ مجموعی طور پر اپنی لمبی عمروں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں لیکن ان تمام چیزوں کے علاوہ زندگی کی طوالت کا راز زندگی گزارنے کے مقصد میں بھی ہے جسے بہت کم لوگ سمجھتے ہیں وہ لوگ وقت سے پہلے نہیں مرتے جن کے سامنے کوئی منزل ہو اور اس کیلئے کوشاں ہوں خدا تعالیٰ اکثر انہیں اپنی منزل تک پہنچنے کی مہلت دیتا ہے اور جب ان کی زندگی کا وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو پھر انہیں اپنے پاس بلا لیتا ہے یعنی دنیا پر وہ مقصد کی ضرورت سے نہ زیادہ نہ کم رکھتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی زندگی کے لئے دیگر چیزوں کے علاوہ ضروری ہے کہ آدمی ایک بامقصد زندگی بھی گزارے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عموماً مقصد کی تکمیل موت کا پیغام بھی ہوتا ہے اور مقصد پورا ہونے کے بعد لوگ جلدی انتقال کر جاتے ہیں۔ بیشمار ایسی مثالیں ہیں کہ جب ان کا مقصد پورا ہو گیا تو اس کے بعد وہ مر گئے۔ خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ جب آیت **اکملت لکم دینکم** نازل ہوئی تو مسلمان خوشیاں منا رہے تھے کہ ان کا دین مکمل ہو گیا لیکن ایک مزاج شناس رسول رو رہا تھا۔ یہ حضرت ابو بکرؓ تھے جب لوگوں نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ میرا یہ رونا جدائی کے ڈر سے ہے جب دین مکمل ہو گیا تو پھر حضور پاک ﷺ کی زندگی کا مقصد بھی پورا ہو گیا ہے جس کے بعد آپ ﷺ کا مزید دنیا میں رہنا بے سود ہے چنانچہ آیت مبارکہ کے نزول کے چند ماہ بعد ہی آپ ﷺ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اسی طرح ایک اور مثال قائداعظم محمد علی جناح کی ہے جو کمزور صحت کے آدمی تھے۔ پاکستان کے حصول تک

وہ سخت محنت بھی کرتے رہے اور ٹھیک ٹھاک رہے لیکن جب پاکستان بن گیا تو ایک سال بعد رحلت فرما گئے۔

مقصد اور زندگی کی طوالت کے درمیان تعلق کو سمجھنے کیلئے آپ ان لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں جن کی زندگی کا مشن اپنے مقصد کا حصول تھا۔ عموماً آپ دیکھیں گے کہ ایسے لوگ نہ صرف بڑی عمر پاتے ہیں بلکہ آخری دم تک مستعد بھی رہتے ہیں، ہمارے سامنے انہی میں قائد اعظم۔ امام خمینی گاندھی، چرچل، برناڈ شاہ، برٹرنڈ رسال، ماؤزے تنگ، ہوچیمنہ نیلسن مینڈیلا، عبدالستار ایدھی غرضیکہ بہت سے مشاہیر کی مثالیں ہیں جو مقصد کی تکمیل کی لگن میں ایسے لگے کہ موت بھی ان کا سامنا کرنے سے ڈرتی تھی۔ آپ کا شاید یہ بھی مشاہدہ ہو کہ وہ لوگ جو گورنمنٹ ملازمت میں ہیں جب ریٹائرڈ ہو جاتے ہیں تو ان میں سے اکثر پانچ دس سال کے اندر اندر ہی ختم ہو جاتے ہیں لیکن وہ لوگ جو کاروباری ہیں اور ریٹائرڈ نہیں ہوتے وہ نسبتاً لمبی عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ایک ریٹائرڈ آدمی جینے کی دھن کھو دیتا ہے اس کیلئے زندگی بیکار ہو جاتی ہے اور وہ بھی زندگی کے لئے بیکار ہو جاتا ہے لہٰذا جلد ہی اسے موت آ لیتی ہے۔

مغرب کے لوگوں کی عمریں بڑھنے میں یقیناً یہ بھی ایک عنصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو زندگی سے ریٹائرڈ نہیں ہونے دیتے اور اکثر ایک بامقصد زندگی گزارتے ہیں چنانچہ آپ انہیں آخری دم تک کسی دھن میں لگا ہوا پاتے ہیں یہ صرف چند ایک مثالیں تھیں۔ مجھے یقین ہے جب آپ خود غور فرمائیں گے تو نظریہ کی حمایت میں آپ کو کئی اور مثالیں بھی مل جائیں گی ہماری اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ زندہ رہنے کیلئے مقصد ضروری ہے مقصد زندگی کو طوالت بخشتا ہے لہٰذا اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں تو زندگی کو بامقصد رکھیں اور اپنی منزل کے حصول کیلئے متواتر دل و جان سے کام کرتے جائیں پھر آپ دیکھیں گے کہ کیسے موت پیچھے ہٹتی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کس طرح مہلت دیتا جاتا ہے۔

موت کا وقت:

جیسے ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ موت کا وقت مقرر نہیں لیکن جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ آدمی اپنی غلط کاریوں اور خواہشات کی وجہ سے اس مقرر شدہ وقت سے پہلے خود اپنی قبر کھودنا شروع کر دیتا ہے اگر کسی آدمی کی زندگی کو متاثر کرنے والے تمام عوامل کا کسی طرح احاطہ ہو سکے تو سائنسی حساب سے اس کی عمر کے بارے میں کسی حد تک حساب لگانا ممکن ہوگا ۔اس لیے اگر آنیوالے وقتوں میں سائنس ایسے عوامل کے تجزیہ سے بتا سکے کہ کسی آدمی کی بقیہ عمر کیا ہے تو چونکہ انسان کا ایک ایک سیل ایک ایک حرکت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس لیے وہ جانتا ہے کہ کون کب مرنے والا ہے اور چونکہ وہی سب قوانین کا مالک اور خالق ہے اس لیے موت خواہ وقت سے پہلے ہو یا طبعی اسی کے حکم سے وارد ہوتی ہے اور جو چاہے کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے کہ ۔(ترجمہ) ''اور کوئی نفس نہیں مر سکتا بغیر حکم اللہ تعالیٰ کے سب کا وقت مقرر ہو چکا ہے''(سورۃ آل عمران آیت 145) ''ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تم کو پورا بدلہ ملے گا دن قیامت کے جو آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہوا وہ اپنی مراد کو پا گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکہ کا مال ہے(سورۃ آل عمران آیت 185)

دعا اور درازی عمر

موت حیاتیاتی خلیات کی انتہائی تخریب کا ردعمل ہے ۔خلیات کی یہی موت انسان کی زندگی کا خاتمہ ہے اور روح کے انتقال کا وقت بھی امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق روح انسانی اور روح حیوانی (زندگی) کا ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک حیاتیاتی تخریب سے روح حیوانی ختم نہیں ہو جاتی ۔اس وقت روح انسانی جو مصداق سواری کے ہے روح حیوانی سے محروم ہو جاتی ہے سواری کے جانے سے اس کا رشتہ اسباب کی دنیا سے بھی کٹ جاتا ہے اور وہ عالم ارواح کو منتقل ہو جاتا ہے۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ حیاتیاتی خلیات کا عمل بھی وہی اللہ تعالیٰ کنٹرول کرتا ہے کہ جس کے قوانین کے تحت ہم وجود میں آئے تھے یہی وجہ ہے کہ ناامید اور لاعلاج مریض بھی بعض اوقات معجزانہ طور پر بچ جاتے ہیں۔ یہ وہ موقع ہوتا ہے کہ جب ڈاکٹر اپنی جدوجہد سے مایوس ہو کر لواحقین کو دعا کیلئے کہتے ہیں اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ بارگاہ ایزدی نے کسی ماں باپ کسی بہن، بیوی یا کسی معصوم کی دعا قبول کر لی اور مردہ جسم میں بھی جان ڈال دی۔

اسلامی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنی ساری زندگی یا اس میں سے کچھ حصہ کسی کو ہدیہ بھی کر سکتا ہے طریقہ یہ ہے کہ انسان نہایت صدق دل سے دعا کرے کہ یاباری تعالیٰ اگر مریض کی زندگی ختم ہو چکی ہے تو میں تیری وساطت اور حکم سے اپنی زندگی میں اتنے سال یا ساری کی ساری زندگی اپنے اس مرنے والے عزیز کو تحفہ کرتا ہوں مجھے موت دے دیجئے اور اس کے بدلے میں اس کو میری زندگی عطا کر دیجئے۔ بیشک تو جس کو چاہے زندگی دے اور جسے چاہے موت دے اس ضمن میں شہنشاہ بابر اور ہمایوں کا واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے ہمایوں بادشاہ شہنشاہ کا اکلوتا بیٹا تھا اس کے تخت و تاج کا وارث تھا ایک دفعہ وہ بہت بیمار ہو گیا حتیٰ کہ وقت کے تمام اطباء اور حکماء شہزادے کی زندگی بچانے سے مایوس ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والا باپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہیں تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں بادشاہ نے تمام مصاحبین کو شہزادے کے کمرے سے باہر جانے کو کہا اور خود اس کی جگہ مرنے کیلئے تیار ہو گیا وہ ایک رقت آمیز منظر تھا جب ایک بادشاہ نہیں بلکہ ایک مجبور باپ انتہائی عاجزی سے اپنے بیٹے کی چارپائی کے اردگرد چکر لگا رہا تھا اور رو رو کر دعا کر رہا تھا "اے بارگاہ الٰہی بابر کی زندگی لے لے اور ہمایوں کی جان بخش دے بابر کی زندگی لے لے اور ہمایوں کی جان بخش دے ابھی وہ ساتویں چکر ہی میں تھا کہ قریب المرگ ہمایوں نے آنکھیں کھول دیں اسی طرح بابر کی جان کا صدقہ قبول ہو چکا تھا بیٹا بچ گیا لیکن شہنشاہ خود بستر مرگ پر تھا۔

یہ تو تاریخ میں ایک بادشاہ کا واقعہ ہے لیکن آپ خود بھی کئی ایسے کرشماتی طور پر موت سے بچنے کے واقعات جانتے ہوں گے امریکی سائنسدان ڈاکٹر موڈی اور دیگر سائنسدانوں کے مشاہدات میں بھی جو لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوئے ان میں سے کچھ لوگوں نے بتایا ہے کہ مرنے کے بعد وہ دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے لیکن ان کے لواحقین کی پر اثر دعاؤں نے انہیں واپس کھینچ لیا۔

سکراتِ موت: سکراتِ موت کا مطلب وہ تکلیف ہے جو آدمی کو جاں کنی کے وقت پیش آتی ہے امام غزالیؒ اور دوسرے اکابرین کا خیال ہے کہ انسان کیلئے سکراتِ موت انتہائی بھاری مشکل موت ہے جہاں تک جدید تحقیق کا تعلق ہے وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ موت کے وقت انسان انتہائی بے چینی کے عالم میں ہوتا ہے آخر ایسا کیوں نہ ہو؟ اگر جسم میں کسی جگہ معمولی سا زخم ہو جائے تو درد کی کیسی کیسی ٹیسیں اٹھتی ہیں۔ لیکن موت کے وقت تو جسم کا ایک ایک خلیہ ٹوٹ جاتا ہے اس لئے انسان کے اوپر اس سے بڑی تکلیف کیا ہوگی۔ جان ہماری رگ رگ میں پیوستہ ہے بعض انسانوں میں قبض روح کے وقت جب یہ کھینچی جاتی ہے تو یہ ایسے ہے جیسے انسان کانٹے دار جھاڑیوں میں کھینچا چلا جاتا ہو۔ لیکن موت کے وقت کیونکہ انسان کی چیخنے چلانے کی قوتیں جواب دے چکی ہوتی ہیں اسلئے وہ فریاد نہیں کرسکتا۔

سکراتِ موت گناہوں کا کفارہ روح کی سربلندی کا ذریعہ:

احادیث رسول کریم ﷺ سے یہ بات واضح ہے کہ انسان پر جو تکالیف قدرتی طور پر آتی ہیں اور آ رہی ہیں ان کو صبر اور خدا کی رضا سمجھ کر برداشت کرنا چاہیے یہ سب تکالیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کیلئے امتحان کے پرچہ جات ہیں۔ اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے صبر سے برداشت کیا جائے تو روح کی سربلندی کا باعث بنتی ہیں۔ بیماری کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ مومن کے پاؤں میں جو کانٹا چبھتا ہے بشرطیکہ وہ صبر کرے اس کے لئے

باعث درجات ہے۔اسی بنیاد پر یہ مسئلہ متفقہ علیہ ہے کہ زندگی میں تمام اعمال حسنہ کے باوجود بھی روح کیلئے کچھ درجات ابھی باقی رہ جاتے ہیں۔اس کا حصول صرف جان کنی کی سختی برداشت کرنے سے آسان ہو جاتا ہے۔امام غزالیؒ اپنی کتاب کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں کہ اگر کافر دنیا میں نیک اعمال کرتا رہا تو اس پر قبض روح کا مرحلہ آسان رہتا ہے تا کہ اس کی نیکی کا اس کو بدلہ مل جائے اور اللہ تعالیٰ پر آخرت میں اس کا کوئی حق نہ رہ جائے۔شاید یہی وجہ ہو کہ مغربی سائنسدانوں کے مشاہدات میں عارضی موت سے زندہ ہونے والے اکثر افراد نے سکرات الموت کا کوئی زیادہ ذکر نہیں کیا۔سکرات موت کے وقت ایک عام انسان پر دو طرح کی تکالیف وارد ہوتی ہیں۔ایک تکلیف روحانی جس میں اسے دنیا چھوڑنے کا غم اور رنج شامل ہے اور دوسری تکلیف جسمانی، یہ وہ وقت ہے جب خون کی گردش کم ہو رہی ہوتی ہے اور خلیات کے اوپر شدت سے توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہوتا ہے چنانچہ موت کا کھچاؤ اس کی گھٹن، تکلیف اور درد نس نس اور رگ رگ میں ہونا قابل فہم ہے لیکن بعض بیماریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں دماغ موت سے بہت پہلے ہی ماؤف ہو جاتا ہے اور آدمی پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور اسطرح بے ہوشی کے عالم میں موت آتی ہے۔ہوسکتا ہے کہ ایسے حالات میں درد محسوس کرنے والی حسیات مفلوج ہو جاتی ہوں اور آدمی موت کے مرحلوں سے آسانی سے گزر جاتا ہو لیکن یہ اس کیلئے اچھا نہیں۔گناہ کا کفارہ اور توبہ کا آخری موقع بھی یونہی گزر گیا۔یہی وجہ ہے کہ اچانک موت سے پناہ مانگی گئی ہے۔اور اچانک اموات کی زیادتی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

نزع کے وقت سکرات موت اختیاری نہیں اسلئے اللہ تعالیٰ جو کسی پر ظلم نہیں کرتا انسان کو اس فطری تکلیف کے بدلے بلند درجات عطاء کرتا ہے چنانچہ جو لوگ اس حقیقت کا ادراک رکھتے ہیں وہ سکرات موت کو بھی خوش آمدید کہتے ہیں اور وہ ان دعاؤں کا سہارا لینا پسند نہیں کرتے جو موت کی تکلیف کے احساس کو مصنوعی طریقہ سے ختم کر دیں۔بہر حال موت آرام سے آئے یا تکلیف سے، یہ قیامت کی طرف پہلا زینہ ہے۔

فرض آپ کو پکار رہا ہے

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

بے شک آپ پابندی سے نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، زکوٰۃ کا بھی اہتمام کرتے ہیں، استطاعت ہو تو حج کو بھی جاتے ہیں، آپ اسلامی وضع قطع کے بھی پابند ہیں، حلال و حرام کی تمیز میں بھی نہایت حساس ہیں، آپ تقویٰ وطہارت کا التزام کرتے ہیں اور نوافل واذکار، صدقہ وخیرات کا بھی زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے ہیں، اس لئے کہ آپ کو اپنے مسلمان ہونے کا احساس ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس احساس میں آپ تنہا بھی نہیں ہیں۔ آپ کی طرح شریعت کے احکام وآداب کی اتباع اور پیروی کرنے والے امت میں ہزاروں نہیں لاکھوں ہیں اور اگر میں یہ دعویٰ کروں تو اس کی تردید نہیں کی جاسکتی کہ اپنی عبرت ناک پستی کے باوجود آج بھی مسلمان مذہب کی پیروی اور عبادات سے شغف میں ہر مذہب کے پیرووں سے آگے ہیں۔ امت مسلمہ میں لاکھوں افراد اب بھی موجود ہیں جن کی زندگیاں قابل رشک حد تک خدا ترسی اور فرض شناسی کا نمونہ ہیں جن کی سیرت اور کردار آئینے کی طرح صاف ہے، جن کا تقویٰ ہر شبہ سے بالا ہے، اور جن پر سوسائٹی اعتماد کرتی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی مذہبی گروہ ان کی ٹکر کے انسان پیش کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔

یہ بھی واقعہ ہے کہ مسلمان تعداد کے اعتبار سے بھی دنیا میں دوسری عظیم اکثریت ہیں ان کے پاس ہر طرح کے وسائل وذرائع بھی ہیں۔ ان کے پاس کوئلہ بھی ہے، پٹرول بھی ہے، لوہا بھی ہے، سونا بھی ہے، یہ دولت مند بھی ہیں اور دنیا کے کتنے ہی حصوں میں ان کی اپنی حکومتیں بھی ہیں۔

تلخ سہی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مذہبی تقدس اور دولت وحکومت کے باوجود سب سے زیادہ ذلیل وخوار اور بے وزن یہی مسلمان قوم ہے، نہ ان کی اپنی کوئی رائے ہے، نہ کوئی

منصوبہ، نہ ان کا کوئی وقار ہے اور نہ کوئی اعتبار، انفرادی حیثیت سے ان میں یقیناً لاکھوں ایسے ہیں جن پر انسانیت فخر کرسکتی ہے، لیکن اجتماعی حیثیت سے دنیا میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔

آپ اسی امت کے ایک فرد ہیں۔ آپ کا مستقبل امت کے مستقبل سے وابستہ ہے کیا آپ کو یہ احساس پریشان کرتا ہے کہ امت کو اس ذلت سے نکالا جائے اور اس کو عظمت رفتہ حاصل کرنے کیلئے پھر بے تاب کردیا جائے۔

کبھی آپ نے غور کیا کہ اس بے قدری اور ذلت کی وجہ کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ اُمت نے اپنا وہ فرض بھلا دیا ہے، جس کے لئے خدا نے اس کو پیدا کیا تھا۔ امت مسلمہ عام اُمتوں کی طرح کوئی خود رو اُمت نہیں ہے۔ اس کو خدا نے ایک خاص منصوبے کے تحت ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا ہے خدا نے اس کی زندگی کا وہی مشن مقرر کیا ہے جو اپنے اپنے دور میں خدا کے پیغمبروں کا مشن رہا ہے۔ نبوت کا سلسلہ نبی امیﷺ پر ختم ہوگیا۔ آپﷺ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ خدا کے بندوں تک خدا کا دین پہنچانے کا کام اب رہتی زندگی تک اسی اُمت کو انجام دینا ہے۔ یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے اسی کی خاطر خدا نے اسے ایک امت بن کر رہنے کی تاکید کی ہے اور اسی فرض کی ادائیگی سے اس کی تقدیر وابستہ ہے، خدا کا ارشاد ہے

تم کو ایک ایسی امت بن کر رہنا چاہیے جو خیر کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔ (آل عمران:۳:۱۰۴)

خیر سے مراد ہر وہ نیکی اور بھلائی ہے جس کو نوع انسانی نے ہمیشہ نیکی اور بھلائی سمجھا ہے اور خدا کی وحی نے بھی اس کو نیکی اور بھلائی قرار دیا ہے، **الخیر** سے مراد وہ ساری نیکیاں ہیں جن کے مجموعے کا نام دین ہے جو ہمیشہ خدا کے پیغمبر خدا کے بندوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ اُمت کا کام یہ ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو کسی امتیاز کے بغیر اس دین کی دعوت دے، اور اسی سوز اور تڑپ کے ساتھ دعوت کا کام کرے جس طرح خدا کے پیغمبروں نے کیا ہے اس لئے کہ وہی مشن خدا نے اس امت کے سپرد کیا ہے۔

اُمت کی زندگی میں دعوت دین کے کام کی وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں دل کی

حیثیت ہے۔انسانی جسم اسی وقت تک کارآمد ہے جب تک اس کے اندر دھڑکنے والا دل موجود ہو،اگر یہ دل دھڑکنا بند کردے تو پھر انسانی جسم ،انسانی جسم نہیں ہے بلکہ مٹی کا ڈھیر ہے ۔اس لئے کہ جسم کو صالح خون پہنچانے والا اور اس کو زندہ رکھنے والا دل ہے۔

ٹھیک یہی حیثیت دعوت دین کی بھی ہے۔اگر امت یہ کام سرگرمی سے انجام دے رہی ہے۔خدا کے منصوبے اور منشا کے مطابق اُمت میں صالح عناصر کا اضافہ ہو رہا ہے اور غیر صالح عنصر چھٹ رہا ہے،نیکیاں پنپ رہی ہیں اور برائیاں دم توڑ رہی ہیں تو امت زندہ ہے اور عظمت و عزت اور وقار و سر بلندی اس کی تقدیر ہے،لیکن امت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے ۔دین حق کے کام کا اسے احساس ہی نہ رہے تو وہ زندگی سے محروم ہے اور مردہ ملت بھلا عزت و عظمت کا مقام کیسے پا سکتی ہے۔

خدا کے نزدیک بھی امت کی تمام تر اہمیت اسی وقت ہے جب وہ اس منصب کے تقاضے پورے کرے جس پر خدا نے اسے سرفراز فرمایا ہے اگر وہ اس منصب ہی کو فراموش کردے اور اسے احساس ہی نہ رہے کہ خدا نے مجھے کس کام کیلئے پیدا کیا ہے تو پھر خدا کو اس کی کیا پرواہ کہ کون اسے پیروں میں روندرہا ہے اور کون اس کی عزت سے کھیل رہا ہے

آپ کے ہاتھ میں بندھی ہوئی قیمتی گھڑی یقیناً آپ کی نظر میں ایک نعمت ہے آپ نے اس کو اسلئے اپنے ہاتھ پر جگہ دی ہے کہ یہ آپ کو صحیح وقت بتائے اور آپ اپنے اوقات کو منظم کر کے ٹھیک وقت پر اپنے سارے کام انجام دے سکیں۔اگر یہ گھڑی اپنا کام ٹھیک ٹھیک انجام دے تو آپ اسے اپنے ہاتھ کی زینت بنائے رکھتے ہیں۔لیکن گھڑی کی یہ ساری قدر و منزلت اور اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کا یہ اہتمام اسی وقت تک ہے جب تک وہ صحیح وقت بتاتی ہے اگر وہ بار بار بند ہونے لگے کبھی آدھا گھنٹہ تیز ہو جائے اور کبھی ایک گھنٹہ سست چلنے لگے آپ بار بار اس سے دھوکہ کھائیں آپ کے پروگرام اس سے متاثر ہونے لگیں اور وہ مقصد اس سے پورا نہ ہو جس کی خاطر آپ نے اسے اپنے ہاتھ پر جگہ دی تھی تو کیا آپ یہ برداشت کریں گے کہ وہ پھر بھی آپ

کے ہاتھ کی زینت بنی رہے اور آپ اسی طرح اس کی حفاظت کرتے رہیں؟ یقیناً آپ کا فیصلہ یہ ہوگا کہ یہ گھڑی نہیں چند پرزوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی مناسب جگہ انسان کا قابل احترام ہاتھ نہیں بلکہ کباڑیے کی دوکان ہے اور پھر آپ کو اس کی کیا پرواہ کہ کباڑیہ اس کو کہاں ڈالتا ہے اس کو بے دردی کے ساتھ کوٹتا اور توڑتا ہے، آپ کے نزدیک تو بجا طور پر اس کی کچھ قدر و منزلت تھی تو اسی بناء پر تھی کہ وہ صحیح وقت بتائے۔ اسلئے کہ بنانے والے نے اسے اس لئے بنایا تھا اور آپ نے ایک بڑی رقم دے کر اسی لئے خریدا تھا۔ خدا نے امت مسلمہ کو اس لئے پیدا کیا تھا کہ وہ دوسروں کو خدا کا دین پہنچائے سوسائٹی میں نیکیوں کا پرچار کرے اور برائیوں کو مٹائے جب تک وہ اپنے اس فرض کو انجام دیتی رہے گی خدا کی نصرت اور حمایت بھی اسے حاصل رہے گی وہ اس کا محافظ اور نگہبان بھی ہوگا اور اسے عظمت و وقار کی بلندیوں سے سرفراز بھی فرمائے گا لیکن امت اگر اس فرض سے غافل ہو جائے تو پھر نہ اس کی کثرت تعداد اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ دولت و حکومت اس کے کام آسکتی ہے نہ تسبیح وتہلیل اور نوافل و اذکار کی کثرت سے وہ عظمت رفتہ کو پا سکتی ہے اور نہ یہ انفرادی دین داری اس کو خدا کے غضب سے بچا سکتی ہے اگر ہر طرف بگاڑ ہو اور خدا کے بندے خدا کو بھول کر اپنی من مانی کر رہے ہوں اور آپ ان سے بے فکر صرف اپنی فکر میں لگے ہوئے ہوں تو سمجھ لیجئے کہ خدا کا (عذاب) بہت قریب ہے اور پھر اس کی پکڑ سے کوئی بچ نہ سکے گا حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "خدائے بلند و برتر نے جبرائیلؑ کو حکم دیا ایسی بستی کو الٹ دو جبرائیلؑ نے کہا پروردگار اس میں تو تیرا ایک ایسا نیک بندہ ہے جس نے پلک جھپکانے کی حد تک بھی تیری نافرمانی نہیں کی پروردگار نے فرمایا، ہاں جبرائیل بستی کو اس پر بھی الٹ دو اور دوسروں پر بھی اسلئے کہ اس بستی میں علی الاعلان میری نافرمانی ہوتی رہی اور اس کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی"۔ یہ حدیث اگر آپ کے اندر کوئی بے تابی پیدا کرے تو اس کی قدر کیجئے اور خدا سے دعا کیجئے کہ وہ اس بے تابی میں اور اضافہ کرے۔ آپ کا فرض آپ کو پکار رہا ہے اور یہی بے تابی آپ کو اپنا فرض ادا کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔

خشوع وخضوع سے نماز کی تکمیل ہوتی ہے

(خالد محمود توحیدی)

ہر چیز کی دو حالتیں ہوتی ہیں، ایک ظاہری اور دوسری باطنی، انسان بھی ظاہر و باطن کا مجموعہ ہے، جسم انسان کا ظاہر ہے اور روح اس کا باطن ہے حقیقت باطن اور روح کی ہے، بے روح کا جسم کسی کام کا نہیں ہوتا، لیکن جسم کی اہمیت بھی کم نہیں ہے۔ جسم ہی کے پیکر میں روح جلوہ گر ہوتی ہے اگر جسم نہ ہوتو روح کا عدم او روجود برابر ہے۔ نماز بھی دونوں حالتیں رکھتی ہے ظاہری بھی اور باطنی بھی۔ قیام اور قعود اور رکوع وسجود کا مجموعہ نماز کا ظاہر یا اس کا جسم ہے اور خشوع وخضوع اور حضور قلب اور توجہ الی اللہ نماز کا باطن یا اس کی روح ہے، نماز کے لئے بھی جسم اور روح دونوں ہی کی ضرورت ہے اگر نماز میں خشوع وخضوع اور توجہ الی اللہ نہ ہوتو نماز ایک جسم بے روح ہے، اللہ تعالیٰ نے جس نماز کو مسلمانوں کیلئے فلاح وسعادت کا ذریعہ قرار دیا ہے وہ نماز باخشوع ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤمِنُوْنَ O الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ O (سورہ مومنون۔)

ترجمہ: "بلاشبہ وہ مسلمان فلاح یاب ہیں جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں"۔

خشوع کیا ہے؟ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے " خاشعون" کی تفسیر ساکنون، خائفون فرمائی ہے پیکر سکون بن کر اور ہیبت وجلال الٰہی سے معمور ہوکر نماز پڑھنے والے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہم کسی ہیبت وجلال کے مقام پر کھڑے ہوجائیں تو ہمارے جسم و دماغ پر کیسی حالت طاری ہوجائیگی؟ ایسی حالت کو خشوع کہتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اسی خشوع کو روحِ نماز سے تعبیر فرمایا ہے " نماز کی روح اللہ کے سامنے حضوری اور جبروت وجلال کا ایسا تصوّر اور دھیان ہے جس میں تعظیم کے ساتھ محبت اور طمانیت شامل ہو۔ خشوع کی حقیقت، دل کی یہی حالت ہے اور اس کی ظاہری علامت سکون وادب کے ساتھ کھڑا ہونا، سر، بازو اور نگاہ کا جھکا ہوا ہونا اور آواز پست رکھنا ہے یعنی نماز کی ہر ادا اللہ کے حضور بندے کے عجز وتذلیل کا اظہار ہو۔

حضورﷺ نے سخت تاکید فرمائی ہے کہ نماز ادب وسکون کے ساتھ پڑھی جائے اور ہر رکن اطمینان کے ساتھ اچھی طرح ادا کیا جائے۔ بے دلی اور عجلت کے ساتھ نماز پڑھنے پر زجر وتوبیخ کی گئی ہے ایسی نماز کو نا قابل قبول ہی نہیں موجب وبال بھی بتایا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ "جس نے وقت پر نماز پڑھی اور اس کے لئے اچھی طرح وضو کیا اور خشوع کے ساتھ اچھی طرح قیام رکوع اور سجدہ کیا تو وہ نماز روشن اور چمک دار ہوکر نکلتی ہے اور نمازی کو دُعا دیتی ہے کہ جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے اسی طرح اللہ تیری حفاظت کرے، اور جس شخص نے وقت ٹال کر نماز پڑھی اور نہ اس کے لئے اچھی طرح وضو کیا نہ خشوع وخضوع کے ساتھ اس کا رکوع اور سجدہ کیا تو وہ نماز سیاہ ہوکر نکلتی ہے اور نمازی کو بددعا دیتی ہے کہ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا اللہ تجھے ضائع کرے۔ پھر وہ نماز پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر نمازی کے منہ پر ماردی جاتی ہے۔" ایک اور حدیث میں حضورﷺ نے فرمایا کہ "بعض آدمی ساٹھ ساٹھ سال تک نماز پڑھتے ہیں اور فی الحقیقت ان کی ایک نماز بھی نہیں ہوتی۔ عرض کیا گیا کہ یہ کیسے؟ ارشاد فرمایا کہ وہ رکوع ٹھیک کرتے ہیں تو سجدہ پورا نہیں کرتے اور سجدہ پورا کرتے ہیں تو رکوع پورا نہیں کرتے۔"

خشوع ایمان واسلام کی جان ہے، حدیثوں میں قیامت کے نزدیک جن چیزوں کو اُٹھا لیے جانے کی خبر ہے ان میں نماز میں خشوع بھی ہے۔ حضرت عبادہؓ نے فرمایا کہ سب سے پہلے خشوع اُٹھالیا جائیگا کہ بھری مسجد میں ایک شخص بھی خشوع سے نماز پڑھنے والا نہ ہوگا۔ خشوع وخضوع حاصل کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر موقوف ہے اور چونکہ یہ ایک مومن کی احتیاج ہے، اس لئے اسے اسکی طلب کرنی چاہیے، اسکے لئے ایک مسلمان کے خود کرنے کے کام یہ ہیں:

☆ اللہ، آخرت اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کے عقیدہ وتصور کو برابر تازہ کرتا رہے۔ اس کی طرف سے دل ودماغ پر غفلت نہ طاری ہونے پائے۔

☆ جس وقت نماز کیلئے وضو کرے اسی وقت سے یہ تصور قائم کرلے کہ میں اللہ تبارک تعالیٰ کے

حضور میں حاضری دینے جارہا ہوں اور جب نماز کیلئے کھڑا ہو دل میں حاضری کا تصور موجود ہو اور جب خیال اِدھر اُدھر بھٹکے اسے پھر حضوری کی طرف متوجہ کیا جائے۔ اس کی فکر رکھی جائے کہ دل غافل نہ ہونے پائے۔

حضرت علیؓ کا یہ حال تھا کہ نماز کا وقت ہوتا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا، حضرت امام زین العابدینؒ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو بدن پر لرزہ طاری ہوجاتا، اس کا سبب کیا تھا؟ یہی کہ اللہ کے سامنے حاضری کا تصور، یہ تصور جتنا قوی ہوگا اتنا ہی خشوع ہوگا۔

☆ نماز میں جو چیزیں پڑھی جاتی ہیں، ان کے معنی سمجھے جائیں اور نماز میں ان کو دھیان میں رکھا جائے۔ نماز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سرگوشی اور اسکے حضور میں عرض اور التماس۔ پھر کتنی عجیب بات ہے کہ مسلمان اللہ سے جو عرض و التجاء کرتے ہیں اسے سمجھنا ضروری خیال نہیں کرتے حالانکہ اس کے بغیر نماز ناقص رہ جاتی ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے خشوع و خضوع کے حصول کا ایک طریقہ یہ بتایا ہے کہ جب تم نماز کیلئے کھڑے ہوتو اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانوں اور اس کی نعمتوں کو یاد کرو اور سوچو کہ اس نے اپنی نعمتوں سے تم کو کس طرح نوازا ہے اور تم اس کی نافرمانی کرکے اپنے آپ کو کس طرح ذلیل کیا۔ لہٰذا اس کے سامنے گڑگڑاؤ اور اپنی پستی اور ذلت کا اعتراف کرو۔ پھر یہی وہ نماز ہوگی جو انسان کو فحش اور نازیبا افعال سے پاک کردے گی۔

(نماز) بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ (عنکبوت 45)

بندگانِ خدا ایسی ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔ غفلت اور بے توجہی سے پڑھی ہوئی نماز نہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں درجہ قبولیت حاصل کرسکتی ہے اور نہ وہ نتائج و برکات حاصل ہوسکتے ہیں جو نماز کا خاصہ ہیں۔ خشوع کے حصول کا طریقہ خود حضورﷺ نے تعلیم فرمایا ہے کہ " تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے اپنے سامنے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔" ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمان عالی شان ہے کہ "جب تم نماز کیلئے

کھڑے ہوتو تمہاری نماز ایسی ہونی چاہیے کہ معلوم ہو کہ تم اس وقت فوت ہو رہے ہو اور دنیا کو چھوڑ رہے ہو (مسند احمد) حضرت بکر مزنیؒ فرماتے تھے اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز تمہارے لیے نفع بخش ثابت ہو تو یہ سمجھ کر پڑھو کہ شاید اس کے بعد کوئی اور نماز پڑھنے کو نہ ملے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ قول سے ماخوذ ہے کہ اس شخص کی طرح نماز پڑھو جو رخصت ہو رہا ہو (یعنی آخری نماز سمجھ کر)۔ دوران نماز جو خیالات و جذبات حائل ہوں ان کے خاتمے کیلئے کمر ہمت باندھے اور پوری قوت اور دلجمعی سے ان کا مقابلہ کرے۔

دوران نماز اللہ کی حضوری میں ایسا کھڑا ہو کہ اللہ کے تصور کے سوا ذہن تمام جذبات و خواہشات سے خالی ہو جائے اور ایسا معلوم ہو کہ زبان سے جو کلمات جاری ہیں دل میں انہیں معنی کا مفہوم موجود ہے۔ حضور قلب کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا اکرام و کبریائی کا احساس بھی پایا جاتا ہو۔ نمازی دل میں خوف و خشیت کے جذبات کی فراوانیوں کو محسوس کرے۔ نمازی تعظیم و ہیبت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے حسن اطاعت پر ثواب و اجر کی توقع بھی رکھے اور اس حقیقت پر بھی یقین رکھے کہ نافرمانی پر سزا و عقوبت کا لامحالہ سامنا کرنے پڑے گا۔

انسان اپنے دل میں عبادات کے دوران تقصیر و کوتاہی اور عجز و ندامت کے اثرات برابر محسوس کرتا رہے اور کسی وقت بھی یہ خیال نہ کرے کہ اس نے کماحقہ بندگی و اطاعت کے تقاضوں کو پورا کرلیا ہے۔ پھر نمازی دیکھے گا کہ اطاعت کا نور سے نمازی کی روح نکھرتی اور مجلّا ہوتی ہے۔

انسان کو چاہیے کہ وہ دل میں اس حقیقت کو اتارنے کی کوشش کرے کہ زندگی کا ماحصل آخرت ہے دنیا اور امور دنیا نہیں اور آخرت کی نعمتیں اس وقت تک حاصل ہونے والی نہیں جب تک بندگی اور اطاعت کا نفس کو عادی نہ بنایا جائے۔ جب اس قسم کی کیفیتوں کو بار بار دل میں بٹھایا جائے گا تو اس کا بحیثیت مجموعی یہ اثر ہوگا کہ دل حضوری کی لذتوں سے بہرہ ور ہونے لگے گا۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ جس قدر اس کا محبوب حقیقی سے محبت اور تعلق ہوگا اسی قدر اس کے ذکر اور یاد میں دل لطف محسوس کرے گا اور اس کے اوامر اور نہی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرے گا۔

نماز میں ہیبت وخوفِ خدا

(مولانا محمد حنیفؒ)

ہیبت وخوف کے جذبے اس وقت دل میں ضیاء گستر ہوں گے جب یہ یقین پختہ ہوجائے گا کہ یہ سارا کارخانہ قدرت اپنی محکمیوں اور استواریوں کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کی مرضی پر قائم ہے اس کی قدرت وسطوت کا یہ کرشمہ ہے کہ اس نے ایک مادہ سے یہ عالم ہست وبود پیدا کردکھایا ہے اور وہ ایسا مستغنی ہے کہ اگر چاہے تو اس پورے عالم رنگ وبو کو ایک پل میں فنا کے گھاٹ اتار دے اور اس پر بھی اس کی بادشاہت اور صفات وجلال میں ذرہ برابر کمی نہ ہو۔اس کے علاوہ اس حقیقت پر بھی غور کرنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام اور بڑے بڑے اولیاء کرام اپنی زندگی اور درجہ محبوبیت کے ہوتے ہوئے بھی اس دنیا میں کتنے آلام ومصائب میں گھرے رہتے ہیں۔اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتو ان کا بال بھیگا نہیں ہوسکتا اور وہ یہاں مزے سے ادنیٰ اذیت برداشت کیے بغیر رہ سکتے ہیں۔لیکن اس کے ارادہ ومشیت کے سامنے دم مارنے کی گنجائش نہیں۔

رجاء وامید کے ولولے کیوں کر دل میں پائے جاتے ہیں

رجاء وامید کے ولولے اس طریق سے انسان کے دل میں پائے جاسکتے ہیں کہ اس کی نظر اس کے بے اندازہ لطف وکرم پر ہو اس کی گوناگوں عنایتوں اور بخششوں پر ہو اور اس کے دل میں یقین واذعان کا رخ اس مضمون کی طرف ہو کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے کس مہربانی سے ہمارے اعمال پر ہمیں جنت کے صلہ سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ صلہ وانعام کی یہ صورت کیا کم تھی کہ ہم جب تک دنیا میں رہے نیکی اور پاک بازی کی وجہ سے امن اور چین سے رہے۔

تخلیقِ حیاء کے اسباب

حیاء کی تخلیق اس احساس کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے کہ اس کے فضل وکرم کے مقابلہ میں اپنی عبادات کے طول وعرض کا جائزہ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کس درجہ بے مایہ ہیں۔

نفس وقلب کے نقائص وعیوب کونظر وفکر کے سامنے لایا جائے کہ ان میں اخلاص کی مقدار کتنی کم ہے ،برائی اور شر کی طرف ان کے میلان اور رغبت کا کیا عالم ہے اور کس تیزی سے یہ نفع عاجل کی طرف لپکتے ہیں ۔اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے علم کی ہمہ گیریوں پر بھی نگاہ ڈلنی چاہیے اور یہ ماننا چاہیے کہ وہ ہمارے مخفیات قلب وخطرات ووساوس سے اچھی طرح آگاہ ہے اور دل کی دھڑکنوں تک سے واقف ہے اس انداز فکر سے انشاءاللہ حیا کی نعمت سے انسان بہرہ مند ہوسکتا ہے ۔

اصل شے ایمان ہے ۔

غرض ان لطائف باطن کو ابھارنا اور پیدا کرنا ممکن ہے اور سہل ہے بشرطیکہ ان کے اسباب وعلل کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور پھر قصدو ہمت سے ان اسباب وعلل کو دور کرنے کی مخلصانہ کوشش کی جائے ۔ان سب کا دراصل تعلق ایمان ونفس کی جان بخش کیفیتوں سے ہے ۔ اگر یہ لطیفہ بیدار ہوگیا ۔اور شک وشبہ کی خلش دور ہوگئی ۔تو پھر باطنی ونفسی زندگی خود بخود اصلاح پذیر ہوگی ۔ایمان اصل شے ہے اگر یہ جلوہ ریز ہے تو خشوع وخضوع اور اخلاص واحسان سب کچھ ہے اور یہی نہیں تو کچھ بھی نہیں ۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی توقیر وتعظیم کا جذبہ پایا جائے اور ہر حالت میں رجاء وخوف کی نعمتوں سے بہرہ مند رہے، اپنی کوتاہیوں کے پیش نظر ہمیشہ حیاء ندامت کے احساسات سے متاثر رہے ۔یہ ایمان کا ایسا تقاضا ہے کہ جس کی علیحدگی اور دوری کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ۔بالخصوص نماز تو ایسی عبادت ہے کہ اس میں ان لطائف کا پایا جانا اور بھی ضروری ہوجاتا ہے اس لیے جو کوئی شخص یہ دیکھے اس کا قلب اس نعمت سے محروم ہے اور یہ لطائف اس کی روح وقلب کو تازگی نہیں بخشتے تو اس کا سبب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ فکرو خیال کی دنیا میں ایک طرح کا انتشار ہے اور قلب پر سہو وغفلت کے پردے چھائے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ نماز میں مناجات وذکر سے وہ کیفیت حاصل نہیں ہوتی جو مقصود ہے ۔

غفلت وسہو

سوال یہ ہے کہ خود اس غفلت وسہو کا سبب کیا ہے۔صرف یہ کہ کچھ دوسرے جذبات و خیالات ایسے ہیں کہ دل پر جن کا قبضہ ہے لہذا جب تک دل ان کی گرفت اور قابو میں ہے حضورِ قلب اور یکسوئی کبھی پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ان جذبات وخیالات کے چنگل سے رہائی کی چند تدبیریں ہیں۔جن کو اس سلسلہ میں آزما کر دیکھنا چاہیے اگر یہ جذبات وہ خیالات کسی بیرونی اور خارجی اثر کی دخل اندازیوں سے ابھرتے اور دل کو الجھاتے ہیں تو اس کا علاج کچھ مشکل نہیں ہمت وارادہ کی بلندی واستقلال درکار ہے۔نماز پڑھنے والے کو ایسی صورت پیش آنے پر چاہیے کہ سمع وبصر کی قوتوں پر کچھ پابندیاں عائد کردے۔مثلاً نماز پڑھے تو آنکھیں بند رکھے یا گھر میں ایسے کمرہ میں یہ فریضہ ادا کرے کہ جہاں کچھ تاریکی ہو اس احتیاط کا خیال رکھے کہ اس کے سامنے کوئی ایسی چیز نہ ہو جو دل کی یکسوئی کو مٹانے والی ہو۔بعض دفعہ نمازی کے سامنے کی جگہ کی کشادگی بھی انتشار فکر کا باعث ہوتی ہے۔اس سے بچنے کی شکل یہ ہے کہ مسجد یا گھر کی دیوار کے قریب ہو کر نماز پڑھے تا کہ اس کے اور دیوار کے درمیان کی وسعتیں کم ہو جائیں اور نظر وبصر کا پھیلاؤ وجہ انتشار نہ بن پائے۔ایسے مقامات پر بھی نماز پڑھنے سے احتراز کرنا چاہیے۔جن کا محل وقوع ہی ایسا ہے کہ جہاں شور وشغب اور ہنگامہ آرائیوں کا ہونا لازمی ہے جیسے بازار۔منقش اور سجے سجائے مکانات بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔کیونکہ ان سے بھی جمعیت خاطر میں فرق آتا ہے۔احتیاط کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ نمازی اپنی جانماز کا بھی جائزہ لے کہ کہیں رنگ ولون، نقش آرائیاں اور شوخیاں ایسی تو نہیں کہ جن سے دل میں خلل پیدا ہوتا ہو۔یہ ہیں وہ احتیاطیں اور تدبیریں کہ جن کو ملحوظ رکھنے سے دل حضورِ قلب کے لطف سے لذت یاب ہو سکتا ہے حضرت عمرؓ نماز کے لیے سکون ودلجمعی کو اس درجہ ضروری سمجھتے تھے کہ ان کے سامنے اگر مصحف لٹک رہا ہو یا تلوار آویزاں ہو تو اس وقت تک نماز میں مشغول نہیں ہوتے تھے جب تک ان دونوں چیزوں کو ہٹا نہیں دیتے۔

قلب کے اندر جاگزیں وساوس

یہ تدبیریں تو ایسی تھیں کہ جن کا تعلق اور ان موانع اور الجھاؤ میں ڈالنے والی چیزوں سے تھا جو ذہن و قلب سے باہر ہیں۔ان کے علاوہ کچھ ایسے خیالات و افکار بھی موجب خلل ہوسکتے ہیں۔جو قلب و ذہن سے باہر اپنا کوئی وجود نہیں رکھتے۔بلکہ جو دل کے اندر رہتے ہیں اور تشویش و انتشار پیدا کرتے ہیں ان کا علاج اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ نمازی فہم قرآن پر دل کو مجبور کرے اور بار بار تو جہات کو معنی کے ادراک و تدبیر پر مائل کرکے اور تکبیر تحریمہ سے پہلے یہ اچھی طرح سوچ لے کہ یہ کہاں اور کس کے حضور کھڑا ہونے والا ہے اور اس مقامِ اجلال کے تقاضے کیا ہیں۔

آخرت کا تصور

اس حقیقت پر بھی غور کریں کہ موت بہر حال آنے والی ہے اور آخرت میں ایک ایک حرکت پر حساب ہونے والا ہے اس تدبیر سے امید ہے کہ دل دوسرے الجھاؤوں سے خلاصی حاصل کرے اور حضور و اخلاص کی انمول نعمت کو پالینے میں کامیاب ہو جائے۔

بیرونی علائق سے رستگاری:

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کو بیرونی چیزوں سے ایک نوع کا تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق کی وجہ سے اس وقت تک الجھاؤ رہتا ہے جب تک کہ ان شواغل کا سدباب نہ کر دیا جائے۔اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے عثمان بن ابی شیبہ سے فرمایا۔(ترجمہ)"میں تم سے کہنا بھول گیا کہ گھر میں جو ہنڈیا رکھی ہے اس کو ڈھانک دو۔"غرض یہ تھی کہ اتنی سی بات بھی دل میں کھٹک پیدا کرتی رہے گی۔حضور ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جہاں کسی چیز نے عبادات میں رکاوٹ ڈالی یا اپنی طرف مائل کیا آپ نے فوراً اس کو علیحدہ کر دیا۔ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے ایک منقش چادر پیش کی۔آپ نے نماز پڑھنے کے بعد اسے اتار دیا اور کہا کہ میرے لیے وہی پرانی چادر کافی ہے اس سے میری نماز میں فرق آتا ہے ایک دفعہ آپ کے جوتے کا تسمہ پرانا ہو گیا تو آپ نے نیا

بنوالیا۔لیکن ادھر توجہ مبذول ہوئی تو یہ بھی بارِ خاطر ہوا۔آپ ﷺ نے فرمایا وہی پرانے تسمے ٹھیک رہیں گے ان سے توجہ والتفات کی باگیں دوسری طرف متوجہ ہو جاتی ہیں۔

ایک صحابیؓ کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے باغ میں نماز پڑھی۔کھجور کا موسم جوبن پر تھا ان کا ذہن جواس کے حسین اور پھل سے بھرپور خوشوں کی طرف منتقل ہوا تو ساری نماز اسی کی نذر ہو گئی۔انہوں نے جونہی یہ محسوس کیا پورا باغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے ڈالا۔

ہمارے ذہن ہر وقت وساوس اور خواہشات کا ایک ہجوم رہتا ہے اگر آپ ایک خواہش کو روکیں گے تو دوسری سر اٹھائے گی۔دوسری کا قلع قمع کریں گے تو تیسری ابھرے گی۔اور یہ سلسلہ یونہی قلب و دماغ کی یکسوئی پر حملہ آور ہوتا رہے گا۔مثلاً ایک شخص ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر فکر و مراقبہ کی گہرائیوں میں مستغرق ہونا چاہتا ہے لیکن چڑیاں ہیں کہ وہ اس مقصد میں اس کو کامیاب نہیں ہونے دیتیں۔یہ مختلف شاخوں پر بیٹھ کر شور مچاتی اور چہکتی ہیں وہ ایک کو اڑاتا ہے تو دس اور آبیٹھتی ہیں اور پھر مل کر اس کے استغراق پر حملہ آور ہوتی ہیں۔یہی حال انسان کے شجرِ نفس کا ہے کہ اس کی ہزاروں شاخیں ہیں اور ہر ہر شاخ پر تمنا و آرزو کی ہزاروں چڑیاں ہیں۔اب اگر اس کا معقول علاج ہو سکتا ہے تو یہی کہ اس درخت کو اکھاڑ پھینکا جائے اور دنیا کی کوئی آلائش دل میں نہ رہنے دی جائے کہ یہی ہر برائی کا منبع و مصدر ہے اس کے سوا جو تدبیر بھی ہو گی ناکام رہے گی کیونکہ جس شخص کا باطن حبِ دنیا پر مشتمل رہے گا۔وہ کبھی بھی مناجات و عبادت کی لذتوں سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ کوشش اور ہمت سے کام لے اور اپنی عبادات کا جتنا حصہ بھی بغیر دنیا کی طرف ملتفت ہوئے اور وسوسہ و افکار میں الجھے بغیر انجام دے سکتا ہے، انجام دے اور جس قدر بھی سکون اور حضورِ قلب کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا سکتا ہے فائدہ اٹھائے۔

آپ عقبیٰ و آخرت کے خیالات کو تقویت دو اور دنیا کی خواہشات و آرزوؤں کا قلع قمع کرتے رہو یہاں تک کہ دل میں صرف عقبیٰ و آخرت کے تقاضے زندہ رہ جائیں۔

دنیا میں مسافر کی طرح رہو

(حافظ ابن رجبؒ)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑا اور فرمایا
دنیا میں اس طرح رہو گویا تم کوئی اجنبی یا مسافر ہو۔(بخاری شریف) حضرت عبداللہؓ کہا کرتے
تھے "اگر شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو اور صبح ہو جائے تو شام کے منتظر نہ رہو صحت کے وقت
مرض کے وقت کے لیے اور زندگی کی حالت میں موت کیلئے (موقع غنیمت جان کر) عمل کرو۔"
یہ حدیث دنیا کے تعلق سے کم سے کم جی لگانے پر زور دیتی ہے، مومن کے لیے یہ مناسب نہیں ہے
کہ وہ دنیا کو اپنا (مستقل) ٹھکانا سمجھ لے اُسے تو یہ سمجھنا چاہیے کہ گویا وہ حالت سفر میں ہے۔
انبیاءؑ سے اس مفہوم کی روایتیں منقول ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے آلِ فرعون میں سے مومن شخص کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:
"یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے ہمیشہ کے قیام کی جگہ آخرت ہی ہے (سورہ المومن-39)
رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ جیسے
کوئی سوار کسی درخت کے سائے میں (دم لینے کے لیے) ٹھہر جائے، پھر اسے چھوڑ کر چلا جائے۔"
حضرت عیسیٰؑ نے اپنے ساتھیوں کو وصیت فرمائی: (دنیا سے) گزر جاؤ اسے آباد کرنے میں نہ لگو۔
ایک اور روایت میں ہے کہ: "سمندر کی موج پر کون گھر بناتا ہے؟ یہی دنیا ہے، اسے ٹھکانا نہ بناؤ"
ایک آدمی حضرت ابوذرؓ کے پاس گیا۔ان کے گھر میں اِدھر اُدھر نظر دوڑانے لگا
(سامان نام کی کوئی چیز نظر نہ آئی تو) پوچھا، آپ کا سامان کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: ہمارا ایک
(دوسرا) گھر ہے، ہماری توجہ اس طرف ہے۔اس نے کہا، جب تک آپ یہاں ہیں
(کچھ نہ کچھ) سامان ضروری ہے۔آپ نے فرمایا: گھر کا مالک ہمیں یہاں رہنے ہی نہیں دے گا۔
کچھ لوگ ایک بزرگ کے گھر گئے تو اِدھر اُدھر نگاہ دوڑانے کے بعد کہنے لگے: آپ کا گھر تو ایسے

آدمی کا گھر لگ رہا ہے جو یہاں سے کوچ کرنے والا ہو۔انہوں نے فرمایا: میں کوچ نہیں کر رہا ہوں بلکہ بھگایا جا رہا ہوں ۔حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے: ''دنیا جارہی ہے اور آخرت آرہی ہے اور دونوں کے اپنے اپنے لوگ ہیں لہٰذا آخرت والے بنو، دنیا والے نہ بنو۔آج عمل کا موقع ہے ،حساب کتاب کا نہیں اور کل حساب کتاب کا وقت ہوگا عمل کا نہیں۔''

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے اپنے خطبے میں فرمایا: "دُنیا تمھارا ٹھکانا نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے فنا لکھ دی ہے اور دنیا کے لوگوں کے لیے سفر لکھ دیا ہے، کتنے ہی آباد گھر جلد ویران ہوں گے اور کتنے ہی مکانوں میں رہنے والے جن پر رشک کیا جاتا ہے، بہت جلد کوچ کر جانے والے ہیں ۔اس لیے اچھی طرح کوچ کی تیاری کرو اور بہترین توشہ سفر تقویٰ ہے اس کو ساتھ لو۔

جب دنیا مومن کا ٹھکانہ اور جائے قیام ہی نہیں مومن کو دنیا میں یا تو کسی اجنبی کی طرح رہنا چاہیے جو اپنے وطن لوٹنے کی تیاری کر رہا ہو یا مسافر کی طرح، جو دن رات اپنے ملک کی طرف رواں دواں ہو ۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو اجنبی یا مسافر کی طرح رہنے کی تلقین فرمائی ۔حضرت فضیلؒ بن عیاض کہتے ہیں: مومن دنیا میں فکرمند و غم زدہ رہتا ہے اور اسے اپنے سفر کے سامان کی مرمت ہی کی فکر رہتی ہے جو دنیا میں اس طرح رہے گا اسے بس صرف وطن واپسی کے لیے مفید چیز کی فکر ہوگی، وہ یہاں کے لوگوں کے ساتھ رقابت و مقابلہ آرائی نہیں کرے گا نہ اسے یہاں کی ذلت سے پریشانی ہوگی ۔حضرت حسنؒ فرماتے ہیں: مومن دنیا میں اجنبی کی طرح رہتا ہے نہ اسے یہاں کی ذلت و بے چارگی افسردہ کرتی ہے نہ یہاں کی عزت کیلئے مقابلہ آرائی کرتا ہے ۔اس کا اور دوسرے لوگوں کا معاملہ الگ الگ ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا فرمایا تھا تو انہیں اور ان کی بیوی کو جنت میں بسایا تھا، پھر دونوں وہاں سے ہٹا دیے گئے ۔پھر اُن سے وعدہ کیا گیا کہ وہ اور ان کی نیک اولاد پھر جنت میں واپس لائے جائیں گے ۔تو مومن ہمیشہ اپنے پہلے وطن کے شوق میں رہتا ہے اور وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے (ترجمہ) آدمی زندگی میں کتنی ہی منزلوں سے گزرتا ہے

اور وہاں قیام کرتا ہے لیکن پہلی منزل کا شوق اسے ہمیشہ دامن گیر رہتا ہے۔

حضرت عطا سلمیؒ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے میرے پروردگار! دنیا میں میری اجنبیت پر رحم فرما قبر میں میری وحشت پہ رحم فرمانا اور کل جب تیرے سامنے پیشی ہوگی اس موقع پر رحم فرمانا۔

حضرت حسنؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ہماری تمہاری اور دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ ایک چٹیل صحرا میں روانہ ہوئے اور ابھی جب انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ انہوں نے زیادہ راستہ طے کرلیا ہے یا باقی ہے تو زادِ سفر ختم ہوگیا اور وہ صحرا میں بے زادِ سفر کے رہ گئے اور یہ یقین ہوگیا کہ اب وہ ہلاک ہو جائیں گے، اتنے میں ایک آدمی وہاں آیا جس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اسے دیکھ کر لوگ کہنے لگے کہ یہ شخص ضرور کہیں قریب ہی سے آیا ہے اور قریب ہی کہیں سرسبز و شاداب جگہ ہے، جب وہ ان کے بالکل پاس پہنچ گیا تو اس نے پوچھا: تم لوگوں کا کیا حال ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا جیسا تم دیکھ رہے ہو۔ اس نے کہا، اگر میں تمہیں کافی پانی اور شاداب باغ تک پہنچا دوں تو کیا کرو گے۔ انہوں نے کہا، ہم کبھی تمہاری حکم عدولی نہیں کریں گے۔ اس نے کہا پکا وعدہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد کرو، انہوں نے ویسا ہی کیا تو اس شخص نے انہیں پانی و باغ تک پہنچا دیا۔ وہاں کچھ دن رہتے رہے، پھر اس شخص نے کہا، جلد سفر کی تیاری کرو۔ ان لوگوں نے کہا کہاں؟ اس نے کہا: ایسی جگہ جہاں کا پانی اور باغ یہاں سے بہتر ہے۔ ان لوگوں میں سے اکثر لوگوں نے کہا خدا کی قسم یہ (پانی و باغ) ہمیں اس وقت ملا تھا جب ہمیں کوئی اُمید ہی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اب اس سے بہتر زندگی لے کر ہم کیا کریں گے۔ لیکن کچھ (تھوڑے) لوگوں نے کہا کیا تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے نام پر اس شخص سے عہد نہیں کیا تھا کہ اس کی حکم عدولی نہیں کرو گے؟ وہ پہلے سچ بول چکا ہے اب بھی سچ بولے گا۔ تو کچھ لوگ تو اس کے ساتھ چلے گئے اور باقی لوگ پیچھے رہ گئے تب ان پر دشمن ٹوٹ پڑا اور انھیں یا تو مار ڈالا یا قیدی بنالیا۔ اس روایت کو ابن ابی الدنیاؒ اور امام احمدؒ نے حضرت عباسؓ سے نقل کیا ہے۔ یہ مثال رسول اللہ ﷺ کے حال سے انتہائی مطابقت رکھتی

آپ ﷺ جب تشریف لائے تھے تو عرب دنیا میں سب سے ذلیل، کم تر اور بدتر حال میں تھے ، آپ ﷺ نے انہیں نجات کے راستے کی طرف بلایا اور واضح دلائل سامنے رکھے، جن لوگوں نے آپ ﷺ کی بات مانی آپ ﷺ نے انہیں اتنا معزز بنا دیا کہ روم و فارس ان کے قدموں کے نیچے آ گئے ۔جب دنیا ان کے سامنے بچھ گئی تو اکثر لوگ اسی دنیا میں لگ گئے اور آپ ﷺ نے جس دوسرے سفر (سفر آخرت) کی تیاری کیلئے ہدایت فرمائی تھی اسے نظر انداز کر دیا ۔بہت تھوڑے لوگوں نے آپ ﷺ کی ہدایت پر عمل کیا اور نجات یافتہ ہوئے اور اکثر لوگ دنیا کے نشے میں مست رہے یہاں تک کہ موت نے ان سے سب کچھ چھین لیا ۔یحیٰی بن معاذ رازیؒ کیا خوب فرماتے ہیں: دنیا شیطان کی شراب ہے جو اس کے نشے میں مبتلا ہوا اس کا نشہ صرف موت کے لشکر کی یلغار پر ہی ختم ہوگا اور اس وقت سوائے حسرت وندامت کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا ۔

آخرت کا مسافر

مومن دنیا میں اپنے آپ کو ایک مسافر سمجھے جو برابر سفر میں ہے اور چند لمحوں کیلئے دنیا کی منزل پر اس کا پڑاؤ ہوا ہے، دنیا کا یہ سفر موت پر ختم ہو جائے گا اور آخرت کا مسافر یہاں سے روانہ ہو جائے گا ۔جو اپنی یہ حالت سمجھے گا وہ زیادہ سے زیادہ زادِ سفر کی فکر کرے گا، دنیا کا سامان اکٹھا کرنے سے اسے کوئی دل چسپی نہیں ہوگی اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کی ایک جماعت کو یہ نصیحت فرمائی تھی کہ دنیا میں وہ اتنا ہی حاصل کرنے کی خواہش کریں جتنا ایک سفر کرنے والا سوار اپنے ساتھ رکھتا ہے ۔حضرت محمدؒ بن واسع سے پوچھا گیا: کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا: اس شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جو روزانہ آخرت کی طرف سفر کی ایک منزل طے کر رہا ہے؟ حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ انسان کیا ہے؟ دنوں کا مجموعہ ہے، جب ایک دن گزر گیا تو سمجھ لو اس کا ایک حصہ ختم ہو گیا ۔انہیں کا قول ہے کہ: ابن آدم! تمہیں دو سواریاں سفر کرا رہی ہیں، رات، دن کے حوالے کرتی رہتی ہے اور دن رات کے، یہاں تک کہ دونوں ایک دن تمہیں آخرت کے

حوالے کردیں گے، تم سے زیادہ خطرے میں کون ہے؟۔کسی دانش ور کا قول ہے دنیا سے وہ شخص کیسے خوش ہوسکتا ہے جس کا ہر دن اس کے مہینے کو ختم کر رہا ہے اور ہر مہینہ اس کے سال کو اور ہر سال اس کی عمر کو۔جس کی عمر اُسے فنا کی طرف دھکیل رہی ہو اور جس کی زندگی اسے موت کی طرف دھکیل رہی ہو وہ کیسے خوش ہوسکتا ہے۔حضرت فضیلؒ بن عیاض نے ایک شخص سے پوچھا: تمھاری کتنی عمر ہوگی؟ اس نے کہا ساٹھ برس۔آپ نے فرمایا، تو تم ساٹھ برس سے اپنے رب کی طرف سفر کر رہے ہو قریب ہے کہ پہنچ جاؤ، اس نے انا اللہ و انا الیہ راجعون پڑھی۔آپ نے فرمایا: اس کا مطلب جانتے ہو؟ جو یہ جان لے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، اور اسی کے پاس لوٹ کر جائے گا، وہ سوال کی ذمے داری سے کیسے بچ سکتا ہے۔اس نے کہا، تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا: آسان سی چیز ہے، جتنا وقت باقی رہ گیا ہے اس میں اچھے کام کرو، جو کچھ گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا۔اگر اب بھی بُرے کام کیے تو پچھلے بُرے کاموں کا بھی مواخذہ ہوگا اور نئے کا بھی۔امام اوزاعیؒ نے اپنے ایک بھائی کو لکھا: سمجھ لو کہ تمھیں ہر طرف سے گھیرا جا چکا ہے اور شب و روز برابر گھسیٹ کر لے جایا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ اور اس کا سامنا کرنے سے ڈرو۔

گردشِ روز و شب اور اُمید بے جا

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی یہ نصیحت کہ صبح ہوجائے تو شام کے منتظر نہ رہو اور شام ہو جائے تو صبح کے منتظر نہ رہو، اسی حدیث سے ماخوذ ہے اور یہی اُمید کم سے کم کرنے کی انتہا ہے، اور اسی کو دنیا سے بے رغبتی قرار دیا گیا ہے۔امام احمدؒ و سفیان ثوریؒ سے یہ قول منقول ہے کہ دنیا سے بے نیازی و زہد کا مطلب ہے اُمید کم سے کم کرنا، جس کی صبح ہوجائے وہ یہی سمجھے کہ اب شام کا منہ نہیں دیکھ سکے گا۔حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ تین علماء کہیں اکٹھا ہوئے، ایک سے دریافت کیا گیا کہ (دنیا میں زندگی سے متعلق) آپ کو کتنی اُمید ہے۔انہوں نے کہا: جو مہینہ آتا ہے، میں یہی سمجھتا ہوں کہ اسی میں مرجاؤں گا۔بقیہ دونوں نے کہا یہ (تو بہت زیادہ) اُمید ہوئی۔

دوسرے سے پوچھا گیا، آپ کو کتنی اُمید رہتی ہے؟ اُنہوں نے کہا، جو ہفتہ آتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں میری موت آجائے گی۔ ان لوگوں نے کہا یہ (بھی) زیادہ ہے۔ تیسرے سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: وہ کیا اُمید کرے گا جس کی جان دوسرے کے ہاتھ میں ہے؟

حضرت داؤد طائیؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطوانؒ بن عمرو تیمی سے پوچھا: (زندگی کے تعلق سے) کم سے کم اُمید کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: بس جتنی دیر ایک سانس چلتی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ سے جب یہ ذکر کیا گیا تو وہ رو پڑے اور کہا کہ حضرت عطوان موت سے بہت چوکنا رہتے تھے اس لیے فرمایا، سانس چلنے تک وہ ڈرتے تھے کہ وہ سانس پوری ہونے سے پہلے ہی نہ مر جائیں۔ حضرت حبیبؒ ابو محمد روزانہ وصیت کر دیا کرتے تھے (جیسے موت کے وقت کی جاتی ہے) کہ کون انہیں غسل دے گا وغیرہ وغیرہ اور صبح شام رویا کرتے تھے، ان کی بیوی سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ شام ہوئی ہے تو شاید صبح نہ ہو۔ صبح ہوگئی ہے تو شاید شام نہ ہو۔ حضرت محمدؒ بن واسع جب سونے کا ارادہ کرتے تھے تو گھر والوں سے کہتے تھے، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں شاید وہ موت ہی ہو اور میں دوبارہ نہ اُٹھوں۔ حضرت بکر مزنیؒ کہا کرتے تھے کہ جو کر سکے وہ یہ ضرور کرے کہ سوتے وقت اپنا وصیت نامہ لکھا ہوا اپنے سر کے پاس رکھ لے، کیوں کہ یہ ہو سکتا ہے وہ سوتو دنیا والوں کے ساتھ رہا ہے اور صبح آنکھ آخرت والوں میں کھلے۔ مکہ مکرمہ میں ایک عبادت گزار عورت کی حالت یہ تھی کہ جب شام ہوتی تو وہ کہتی آج کی رات تو تمہاری ہے، اس کے بعد کوئی اور رات تمہارے حصے میں نہیں ہے اور جب صبح ہوتی تو کہتی آج کا دن تو تمہارا ہے، اس کے بعد تمہارے حصے میں کوئی اور دن نہیں ہے یہ کہہ کر انتہائی محنت سے عبادت میں لگ جاتی۔

صحت و زندگی کو غنیمت جانو

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ صحت کو مرض سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے

غنیمت جان کر نیک کاموں میں لگے رہو، کہیں مرض اور موت تمھیں اس قابل ہی نہ چھوڑ دیں۔
حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو نعمتوں کے بارے میں بہت سے لوگ دھوکے میں رہتے ہیں: صحت اور فراغت۔
حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اپنی صحت کو مرض سے پہلے، اپنی دولت کو فقیری سے پہلے، اپنی فارغ البالی کو مشغولیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو موت سے پہلے۔ ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات چیزوں سے پہلے پہلے عمل کرنے میں جلدی کرو، کیا تم منتظر ہو (ہر چیز) بھلا دینے والی محتاجی کے یا سرکش بنا دینے والی دولت کے یا خراب کر دینے والے مرض کے یا ناکارہ کر دینے والے بڑھاپے کے یا دفن کر دینے والی موت کے یا دجال کے جو سب سے بُرا غائب ہے جس کا ابھی انتظار ہے یا قیامت کے اور قیامت سب سے تلخ اور سب سے زیادہ گھات والی ہے۔ یعنی یہ ساری چیزیں عمل کا موقع چھین لیں گی، ان میں سے بعض انفرادی طور پر انسان سے متعلق ہیں اور بعض کا تعلق سارے انسانوں سے ہوگا جیسے قیامت، دجال کا نکلنا اور دیگر عام فتنے (ترجمہ): جس دن تمہارے رب کی مخصوص نشانیاں نمودار ہو جائیں گی پھر کسی ایسے شخص کو اس کا ایمان کچھ فائدہ نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی ہو۔
صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو اور جب ایسا ہو جائے گا اور اسے لوگ دیکھ لیں گے تو سب کے سب ایمان لائیں گے لیکن تب ایمان لانا بے کار ہوگا، قبول نہیں کیا جائے گا جیسا کہ مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ سُورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے جو توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد فرشتے اپنے رجسٹر بند کر دیں گے اور پھر کوئی عمل درج نہیں کریں گے۔

اس لیے مومن کو چاہیے کہ نیک اعمال میں جتنی جلدی ممکن ہو کرے، ایسا نہ ہو کہ کسی وجہ سے پھر وہ اس قابل نہ رہ جائے اور تب سوائے حسرت و ندامت کے کچھ ہاتھ نہ لگے۔

(ترجمہ): پلٹ آؤ، اپنے رب کی طرف اور مطیع بن جاؤ اس کے قبل اس کے کہ تم پر عذاب آجائے پھر کہیں سے تم کو مدد نہ مل سکے اور پیروی کرو اپنے رب کی بھیجی ہوئی کتاب کے بہترین پہلو کی، قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی شخص کہے ،افسوس میری اس تقصیر پر جو میں اللہ کی جناب میں کرتا رہا، بلکہ میں تو اس کا مذاق اُڑانے والوں میں شامل تھا، یا کہے کاش اللہ نے مجھے ہدایت بخشی ہوتی تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا، یا عذاب دیکھ کر کہے، کاش مجھے ایک موقع اور مل جائے اور میں بھی نیک عمل کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔(سورۃ الزمر آیت نمبر 54,58)

(ترجمہ) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجائے گی تو کہنا شروع کرے گا کہ اے میرے رب مجھے اسی دنیا میں واپس بھیج دیجیے جسے میں چھوڑ آیا ہوں، امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک بات ہے جو وہ بک رہا ہے، اب سب کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے دوسری زندگی کے دن تک۔(سورۃ المنافقون آیت نمبر 100,90)

(ترجمہ): جو رزق ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور اُس وقت کہے اے میرے رب کیوں نہ تو نے تھوڑی سی مہلت مجھے اور دے دی کہ میں صدقہ دیتا اور صالح لوگوں میں شامل ہو جاتا ،حالاں کہ جب کسی کی مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے تو اللہ کسی کو ہرگز یہ مہلت نہیں دیتا۔(سورۃ المنافقون 11-10)

حضرت سعیدؒ بن جبیر کہتے ہیں مومن جتنے دن بھی دنیا میں گزارے غنیمت ہے۔ حضرت بکر مزنیؒ فرماتے تھے: اللہ تعالیٰ ہر دن کو یہ پیغام دے کر بھیجتا ہے کہ ابن آدم! اس دن کو غنیمت سمجھو شاید اس کے بعد کوئی دوسرا دن نہ ملے اور ہر رات کو یہی پیغام دے کر بھیجتا ہے کہ ابن آدم! اس رات کو غنیمت سمجھو، شاید اس کے بعد کوئی دوسری رات نہ ملے۔

اللہ کے ذکر میں استقلال

(مولانا مفتی محمد تقی عثمانی)

جب انسان اللہ کا ذکر شروع کرتا ہے تو طبیعت پر مشقت اور بار ہوتا ہے۔ یہ کیفیت صرف ذکر کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر نئے کام کو شروع کرنے کے بعد ابتداً مشقت معلوم ہوتی ہے، اسی طرح اللہ کے ذکر کے آغاز میں بھی جب انسان اپنے آپ کو ذکر اللہ کا عادی بنانا چاہتا ہے تو بعض اوقات ذکر کرنے سے دل الجھتا ہے اور طبیعت پر بار محسوس ہوتا ہے۔

لیکن اس کا علاج یہ ہے کہ اس مشقت کو برداشت کیا جائے، اس بار کو اٹھایا جائے، گھبرا کر ذکر کو نہ چھوڑا جائے، بلکہ دل لگے یا نہ لگے، طبیعت آمادہ ہو یا نہ ہو۔ ہر حالت میں ذکر کے اندر مشغول رہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رفتہ رفتہ ذکر میں دل لگنے لگے گا۔ ایک وقت آئیگا کہ اللہ تعالیٰ ذکر کو زندگی کا ایک حصہ بنادینگے اور ذکر کئے بغیر چین نہیں آئے گا۔

ذکر جہری: مبتدی کیلئے جس کی طبیعت ابھی اللہ کے ذکر سے مشقت محسوس کررہی ہو اسکو ذکر بالجہر کی تلقین کی جاتی ہے اس طرح ذکر کرنے سے ذکر میں دل لگے گا۔ اور گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ اگر بلند آواز سے ذکر کریگا تو تھوڑا سا لحن بھی شامل ہوگا اس کے نتیجے میں اس کا دل میں انشراح اور انبساط پیدا ہوگا۔ مثلاً اگر آہستہ آہستہ آواز میں " لا الہ الا اللہ " کا ذکر کریگا تو اس کا دل نہیں لگے گا۔ لیکن با آواز بلند اور لحن سے کریگا تو اس کا دل لگ جائیگا۔

ذکر پاس انفاس: پاس انفاس بھی ذکر کا ایک خاص اور اہم ترین طریقہ ہے پاس انفاس کا مطلب سانسوں کا خیال رکھنا۔ ہر سانس کی آمد و رفت میں اللہ کے ذکر کو اس طرح جذب کرلیا جاتا ہے کہ ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر جاری ہوجاتا ہے۔ ہر سانس کی رفتار کے ساتھ اللہ کا نام نکل رہا ہے۔ (اصلاحی مجالس)

دل کا سکون

(مرسلہ: محمد قاسم توحیدی)

آج کی دنیا ترقی یافتہ دنیا کہی جاتی ہے مگر یہ تمام ترقیاں صرف مادی چیزوں کی ہیں۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے وہ بدستور غیر ترقی یافتہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔ انسان پیچھے ہے اور چیزیں آگے۔ سب سے بڑی چیز جو انسان چاہتا ہے وہ سکون ہے مگر آج کسی کو سکون حاصل نہیں جدید مادی ترقیوں نے صرف یہ کیا ہے کہ انسان سے اس کا سکون چھین لیا ہے۔ یہ ترقیاں انسان کو سکون دینے میں سراسر ناکام ثابت ہوئی ہیں۔

موجودہ دنیا میں ایک عجیب تضاد نظر آتا ہے یہاں سامان سکون ہے مگر سکون نہیں۔ یہاں قہقہوں کا شور ہے مگر دل کا چین نہیں۔ یہاں خوشی کے اسباب کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ مگر حقیقی خوشی کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کی وجہ بالکل سادہ ہے ہم روح جیسی برتر چیز (جو عالم امر سے آئی ہوئی ہے) کو مادہ جیسی کم تر چیز کے ذریعے خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اور ایسا ہونا کبھی اس دنیا میں ممکن نہیں۔ ہماری روح کبھی ان چیزوں میں سکون نہیں پا سکتی جو خود اس سے نیچی ہوں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے یعنی دنیا کی سب سے برتر مخلوق ہے۔ انسان کیلئے سکون اور راحت کا واحد ذریعہ صرف یہ ہے کہ وہ اپنے خالق کو پا لے۔ اس سے کم کوئی چیز اس کے سکون اور راحت کا سبب نہیں بن سکتی۔

مثنوی مَولانا رُومؒ

(انتخاب غلام یٰسین شاہ)

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

اولیاء راہست قدرت اس الٰہ تیرِ جستہ باز گرد اندز راہ

فیضِ حق اندر کمالِ اولیاء نورِ حق اندر جمالِ اولیاء

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا اونشیند در حضورِ اولیاء

چوں شوی دور از حضورِ اولیاء درحقیقت گشتہ دور از خدا

پیرِ کامل صورتِ ظلِّ الٰہ یعنی دیدِ پیر دید کبریا

ہر کہ پیر و ذاتِ حق رایک نہ دید نے مرید و نے نے مرید و نے مرید

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلامِ شمس تبریزی نہ شُد
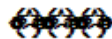
بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پید ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندۂ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

فرمودات فقیر — مرتب: میاں علی رضا
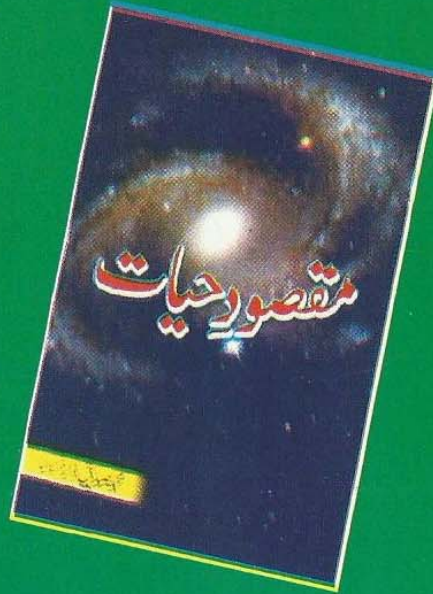
بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کئے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔
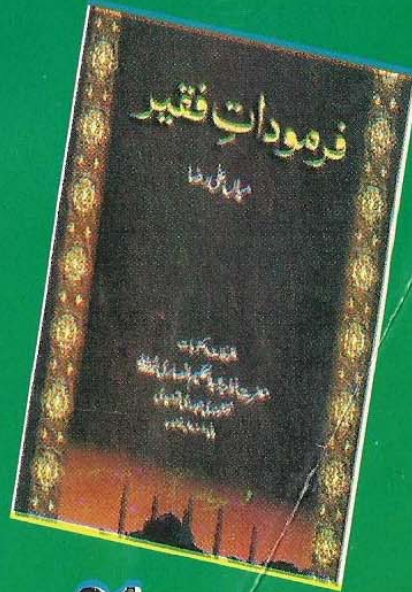
Reg: CPL - 01
Website:www.toheedia.net